احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

ستمبر 2022ء

تقویٰ ولایت کی کنجی ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

اَلْقَوْلُ الْمَتِیْن فِی أَمْرِ یَزِیْدَ اللَّعِیْن

﴿یزید کے کُفر اور اُس پر لعنت کا مسئلہ؟﴾

شیخ الاسلام کی نئی تحقیقی و تاریخی کاوش اور نفسِ مسئلہ پر
اپنی نوعیت کا منفرد، وقیع اور محققہ انسائیکلوپیڈیا

محبوبانِ خدا کے تذکار اور اصلاحِ احوال کے افکار

تصوف اور فقہ کا باہمی تعلق

علم کی فضیلت و اہمیت

آزادیٔ اظہار کا حق اور تعلیماتِ اسلامیہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 36 / شمارہ: 8 / صفر ۱۴۴۴ھ / ستمبر 2022ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: آزادیٔ اظہار کا حق اور تعلیماتِ اسلام	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: تقویٰ ولایت کی کنجی ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
الفقہ: کیا قبولِ اسلام کے لیے عمر کی حد مقرر ہے؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	12
ادب العلم وادب النفس	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	17
محبوبانِ خدا کے تذکار اور اصلاحِ احوال کے افکار	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	22
تصوف اور فقہ کا باہمی تعلق	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	28
حصولِ علم۔۔۔ مقصدِ حیات	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	34
یزید کے کُفر اور اُس پر لعنت کا مسئلہ؟ (شیخ الاسلام کی نئی تحقیقی و تاریخی کاوش کا اجمالی تعارف)	محمد فاروق رانا	37
کشمیری زبان میں ترجمہ ''عرفان القرآن'' کی اشاعت	ڈاکٹر پیرزادہ مقصود احمد	42
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا دورہ برطانیہ	رپورٹ: جی ایم ملک	44
پیغامِ امام حسین علیہ السلام واتحادِ امت کانفرنس	رپورٹ: محمد جواد حامد	47

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

زمیں سے عرش تک ہر کام میں ہے اہتمام اُس کا
نوازش ہر طرف اس کی، ہے سب پہ لطف عام اُس کا

ہے راتوں کی سیاہی میں چراغاں چاند تاروں سے
مکمل ہر جہت سے ہے یہ روشن انتظام اُس کا

فضاؤں میں ہے ہر سُو جلوۂ ذاتِ خداوندی
ہوا کے دوش پر ہے ابر، بے پردہ خرام اُس کا

گھٹن میں وہ ہواؤں سے سکینت بخش دیتا ہے
درختوں کے ہے برگ و بار میں دستِ سلام اُس کا

نوازا ہے رسولِ پاکؐ کی رحمت سے ہم سب کو
عیاں جس رحمتِ عالم سے ہے لطفِ دوام اُس کا

نہیں کچھ بولتا ہادی بجز حکمِ خداوندی
ہماری زیست کا ہے رہنما ہر دم کلام اُس کا

کرم سے اس کے طاہرؔ میکدہ آباد ہے ہر دم
''بھرے پیمانۂ صد زندگانی ایک جام اُس کا''

﴿پروفیسر محمد طاہر صدیقی﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ایسا اعجاز دوبارا نہیں ہونے والا
آپؐ جیسا کوئی یکتا نہیں ہونے والا

موجِ تہذیب کو جس اوج اٹھایا انھوں نے
تا ابد اُس کا اعادہ نہیں ہونے والا

اُن کی رحمت سے رواں خیر کی نہریں کیا کیا
کبھی کم آب یہ دریا نہیں ہونے والا

قافلے اُن کی ہدایات کے نکلے جس پر
کبھی ویراں وہ رستہ نہیں ہونے والا

جس کے ہونٹوں پہ کھِلا اسمِ مبارک اُن کا
کسی افتاد وہ تنہا نہیں ہونے والا

اُن کی سیرت سے منوّر ہوں دل وجاں جس کے
کسی میداں میں وہ پسپا نہیں ہونے والا

جس کے سینے میں فروزاں ہو محبت اُن کی
حشر کے روز وہ رسوا نہیں ہونے والا

اُن کی یادوں سے کسی آن ہو غفلت، یہ غلط
بھول کر بھی کبھی ایسا نہیں ہونے والا

چند حرفوں کی سعادت بھی بہت ہے عاؔلی
حق ادا نعمتِ نبیؐ کا نہیں ہونے والا

﴿جلیل عاؔلی﴾

اداریہ

آزادیٔ اظہار کا حق اور تعلیماتِ اسلام

آزادیٔ اظہار کے حق کو بنیادی حق تسلیم اور اس کا خیر مقدم کئے بغیر کوئی ملک، معاشرہ، تحریک، جماعت اور سیاسی، سماجی، مذہبی آرگنائزیشن عصری تقاضوں کے مطابق نہ صرف اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی بلکہ اس کے لئے فکری اعتدال اور توازن قائم رکھنا بھی ممکن نہیں رہتا۔ اسلام کا نظامِ سیاست و معاشرت شورائیت کے اصولوں پر استوار ہے۔ مشاورت پر مبنی اقدار آزادیٔ اظہار کے حق کو بھی یقینی بناتی ہیں۔ سورہ شوریٰ میں اللہ رب العزت مومنین کے بارے میں فرماتا ہے: ’’اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔‘‘ ایک اور مقام پر فرمان باری تعالیٰ ہے: ’’اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں‘‘۔

مغرب کی طرف سے عام طور پر عالمِ اسلام پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اسلام میں اظہارِ رائے کی آزادی محدود ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اظہارِ رائے کی آزادی کا نا صرف فلسفہ و تصور دیا بلکہ اظہار و بیان کو ایک لازمی حق کے طور پر تسلیم کیا۔ البتہ آزادیٔ اظہار و بیان کے حق کو مسلّمہ اور محفوظ بنانے کے لئے کچھ شرائط بھی لاگو کیں تاکہ آزادیٔ اظہار کے حق کو استعمال کرتے ہوئے کسی دوسرے کا حق متاثر نہ ہو۔ کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور چادر رچار دیواری کا تقدس پامال نہ ہو۔ نفوسِ قدسیہ کے حوالے سے کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں۔ اقتدارِ اعلیٰ اور مقدس اور منزہ عن الخطاء ہستیوں کی تقدیس پر حرف نہ آئے۔ اسی لئے قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب میں آیت نمبر ۷۰ میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ’’اے ایمان والو اللہ سے ڈرا کرو اور سیدھی بات کہا کرو۔‘‘ یعنی بات کرنے کی آزادی اور مکمل اجازت ہے البتہ یہ حق؛ حق گوئی کے ساتھ مشروط ہے اور اسلام نے بدگمانی، تہمت، غیبت، الزام تراشی اور تجسس سے سختی سے منع کیا ہے۔ آزادیٔ اظہار کا حق ان اسلامی اور اخلاقی اصولوں و تعلیمات پر زور دیتا ہے۔

اسلام سے قبل لوگ غلامانہ زندگی بسر کرتے تھے، ان پر مختلف بادشاہ اور مطلق العنان افراد حکومت کرتے تھے اور انہی بادشاہوں اور مطلق العنان شخصیات کے زیر اثر معاشرہ اور اس کی اقدار ہوتی تھیں۔ مطلق العنانی کا یہ عالم تھا کہ یہ بادشاہ مصنوعی خداؤں کا روپ دھار لیتے تھے اور ان کا کہا ہوا ہی حرفِ آخر ہوتا تھا اور حکم عدولی یا اختلاف رائے کرنے والے قابلِ گردن زدنی قرار دے دیئے جاتے تھے۔ اسلام نے آزادیٔ اظہار اور شورائیت کے نظام کے تحت سوسائٹی کو گفت و شنید کے راستے پر ڈالا۔

آزادیٔ اظہار، احتساب اور خود احتسابی کی اقدار اسلامی نظامِ سیاست و معاشرت کی شان اور روح ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ سیاسی، سماجی، معاشی امور و معاملات میں حاکمِ وقت سے سوال بھی کر سکتے ہیں اور مکالمہ بھی۔ اسلامی سربراہان مملکت کو قبل از اسلام اور قبل از مسیح کے ازمنہ کے فراعین کی طرز پر سیاہ و سفید کے مختار کلِ ہونے کا سٹیٹس نہیں دیا گیا۔ احتساب اور آزادی اظہار کی ایک اور قابلِ فخر نظیر اسلامی معاشرے کے اندر خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بڑے ایمانی جوش و خروش اور احساسِ تفاخر کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ خلیفۂ وقت خطبہ کی ادائیگی کے لئے منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو سوال کیا گیا: آپ رضی اللہ عنہ نے جو کپڑا زیب تن کر رکھا ہے وہ ہمیں بھی ملا مگر پیمائش میں کم ہونے کے باعث ہماری ستر پوشی نہ ہوسکی جبکہ آپ قد و قامت میں ہم سے زیادہ ہیں تو آپ کا جوڑا کیسے بن گیا؟ تو اس کا جواب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اذن ملنے پر آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیا کہ جو کپڑا مجھے ملا تھا وہ بھی میں نے اپنے والد محترم کو دے دیا۔ تب ان کا جوڑا بن سکا۔ تسلی بخش جواب میسر آنے پر

آپ ﷺ خطبہ جاری رکھ سکے۔ تو گویا اسلام ہی کو آزادیٔ اظہار رائے اور احتساب کی ٹھوس اور مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کا اعزاز اور امتیاز حاصل ہے۔

اسی طرح آزادیٔ اظہار اور محاسبہ کی ایک دوسری مثال بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سے جڑی ہوئی ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر کے حاکم تھے۔ مصر کا ایک باشندہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ لینے آیا ہوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے ایسے آدمی کی پناہ حاصل کی جو تمہیں پناہ دے سکتا ہے''۔

مصری بولا: ''میں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا۔ میں اس سے آگے بڑھ گیا تو وہ مجھے کوڑے مارنے لگا اور کہنے لگا: ''میں شریف خاندان کا بیٹا ہوں''۔ یہ شکوہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تشریف لائیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا: ''مصری کدھر ہے؟ ''وہ سامنے آیا تو فرمایا: ''یہ کوڑا لے اور مار۔'' امیر المومنین کا حکم ملتے ہی مصری حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر کوڑا برسانے لگا اور امیر المومنین کہتے جا رہے تھے: ''شریف خاندان کے بیٹے کو مارو۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مصری نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کوڑے لگائے اور اللہ کی قسم! بہت مارا اور ہم اس کی پٹائی چاہتے بھی تھے لیکن مصری برابر مارے جا رہا تھا حتی کہ ہماری خواہش ہوئی کہ اب اس کی پٹائی بند ہو جائے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مصری سے فرمایا: ''کوڑا عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کے بھی لگاؤ (کہ ان کے بیٹے نے ان کی حاکمیت کے زعم میں ہی یہ سب کیا تو قصور وار وہ بھی ہیں)'' مصری نے عرض کی: ''اے امیر المومنین! ان کے بیٹے نے میری پٹائی کی ہے اور میں نے اس سے قصاص لے لیا۔''

پھر امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنا تاریخی جملہ بیان فرمایا: ''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟''

آج کل آزادیٔ اظہار اور احتساب کا بہت غلغلہ ہے۔ ہر شخص اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنا مؤقف بیان کرنے اور اپنے اثاثوں کے تحفظ میں آزاد اور خودمختار ہے۔ یہ خودساختہ حق جدید صدی میں دوسروں کے حقوق سلب کرنے اور سوسائٹی کے اجتماعی امن کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں جبکہ قانون اور قرآن و سنت کی رو سے یہ حق مشروط ہیں۔ کسی شخص کو بھی اپنے نظریات، خیالات کے اظہار کے حوالے سے بزورِ طاقت نہیں روکا جا سکتا۔ تاہم اس بات کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے کہ اپنے آزادیٔ اظہار کے حق کو استعمال کرتے ہوئے دوسرے کی عزت اور جذبات کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔ آج سیاست کا سارا کاروبار الزام تراشی، بہتان طرازی، زبان درازی، کردارکشی اور تہمت کے اردگرد گھوم رہا ہے۔ کسی کے ذاتی معاملات میں دخل دینا اور گروہی مفادات کے لئے رائے زنی کو آزادیٔ اظہار کے بنیادی حق کے پیرائے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ آزادیٔ اظہار کے حق اور ہتک عزت کے مابین فرق کو قائم رکھنا ازحد ضروری ہے۔ فی زمانہ یہ مبحث ناگزیر ہے کہ آزادی اظہار اور دوسروں کے سیاسی، مذہبی، سماجی، معاشی حقوق کا تحفظ کیسے کیا جائے اور اس ضمن میں قانون اور قرآن و سنت کی حدود و قیود پر عمل درآمد کیسے یقینی بنایا جائے؟ بلاشبہ اس ضمن میں اسلام نے مکمل فکری راہنمائی مہیا کی ہے اور آزادیٔ اظہار و بیان اور احتساب کے حوالے سے اسلام کے متعینہ اصول و قواعد پر عمل پیرا ہونے میں ہی آزادیٔ اظہار کے حق کی سلامتی اور سوسائٹی کا امن کارفرما ہے۔

تقویٰ ولایت کی کنجی ہے

فلسفۂ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اُس مقام پر ہو جس پر اللہ اسے دیکھنا چاہتا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین۔۔۔ معاون: محبوب حسین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ اَوْلِیَآئُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ . (الانفال، ۸: ۳۴)

”اس کے اولیاء (یعنی دوست) تو صرف پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں۔“

اللہ رب العزت نے اس آیتِ مبارکہ میں ولایت اور تقویٰ دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ تقویٰ کے بغیر ولایت کا کوئی وجود نہیں۔ تقویٰ ہی بندے کو ولایت کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ عام طور پر تقویٰ کا مطلب اللہ سے ڈرنا ہے لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کا ڈر اس طرح کا نہیں کہ جیسے ہم زندگی میں مختلف چیزوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ اس طرح کے ڈر سے موانست کی بجائے وحشت اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ بندہ اپنے مالک و مولا کے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ ولایت دوری نہیں بلکہ قرب چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ولی ہوتا ہے وہ اللہ سے دور نہیں بلکہ اس کے قریب ہوتا ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟

اب اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ تقویٰ کون سا ڈر ہے جو قربت کو بڑھاتا اور دوری کو مٹاتا ہے۔۔۔؟ تقویٰ کا مختصر اور جامع معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس جگہ پر، جس مقام پر اور جس کام میں ہمیں دیکھنا چاہتا ہے، وہاں پر ہم حاضر ہوں اور جہاں پر وہ ہمیں نہیں دیکھنا چاہتا، وہاں حاضر نہ ہوں۔ یعنی جس مقام پر وہ چاہتا ہے کہ ہم موجود ہوں، وہاں سے ہم غائب نہ ہوں اور جس مقام پر وہ چاہتا ہے کہ ہم موجود نہ ہوں، وہاں ہم حاضر نہ ہوں۔ اگر یہ دو چیزیں انسان کی زندگی میں آجائیں تو اسے تقویٰ کہتے ہیں اور ان کا حامل انسان متقی ہے۔

اب کسی کے متقی ہونے کے لیے کسی خاندان کی شرط نہیں، کسی امیری غریبی، کسی شہر اور محلے، کسی قصبے اور گاؤں، کسی قد و قامت اور گورے و کالے رنگ اور زبان و بولی کی شرط نہیں۔ جس شخص میں اس نے اس طرز پر تقویٰ پالیا تو اسی لمحے اس نے اس کے ساتھ دوستی کرلی، اور جس کے ساتھ اللہ نے اپنی دوستی کا فیصلہ کرلیا، وہ ولی ہوگیا۔

ہماری زندگی میں کئی کام ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ چاہتا ہے کہ وہ کام ہم کریں اور کئی کام ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ چاہتا ہے کہ وہ کام ہم نہ کریں۔ مثلاً: نماز کا وقت آگیا، اب اللہ چاہتا ہے کہ ہم اللہ کے حضور اس کی بارگاہ میں موجود ہوں، اگر ہم وقتِ نماز اللہ کی بارگاہ سے غیر حاضر رہے تو تقویٰ نہ رہا۔ اسی طرح اللہ چاہتا ہے کہ ہم سخت کلامی نہ کریں، کسی پر تہمت اور الزام نہ لگائیں، گالی گلوچ نہ کریں، ایک دوسرے کے ساتھ کرخت لب و لہجے سے بات نہ

☆ خطاب نمبر: GE-34، تاریخ: 10 دسمبر 2018ء، والٹن لاہور

کریں۔ اگر ہم میں سے کوئی گالی گلوچ اور طعن و تشنیع کر رہا ہے، دوسرے بندے پر سختی کر رہا ہے، الزام تراشی کر رہا ہے، برا بھلا کہہ رہا ہے، اس سے نفرت کر رہا ہے تو لازمی بات ہے کہ یہ امور اور افعال اللہ کو پسند نہیں، لہٰذا ان افعال کا مرتکب ہونے سے ہم حاملینِ تقویٰ نہ رہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہمارے دل میں دنیا، جاہ و منصب اور مال و دولت کی طلب و حرص اور لالچ نہ ہو، اگر اس نے ہمارے دل کو حرص و لالچ اور طلب و رغبت کی جگہ پر موجود پایا تو یہ تقویٰ اور ولایت نہیں ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرا بندہ دنیا سے بے نیاز ہو، مجھ سے محبت کرے، میرے بندے میں تواضع و انکساری ہو، اس کے دل میں صدق و اخلاص ہو، اس کے پاس وفا، تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی ہو، جب یہ سب کچھ وہ اپنے بندے میں موجود پاتا ہے تو اس بندے کو متقی کے لقب سے ملقب کرتا ہے۔

جب اللہ رب العزت کسی کا ولی ہوجاتا ہے تو وہ ہر روز ستر مرتبہ اپنے اس بندے کے دل کو دیکھتا ہے۔ وہ بندے کے دل کو اس لیے دیکھتا ہے کہ اس کا دل میری یاد سے غافل نہ رہے۔ جس شخص کے دل کو اللہ رب العزت ستر مرتبہ روزانہ کی بنیاد پر دیکھے اور اگر اس دل کو اپنی یاد سے غافل پائے تو سوچنے کا مقام ہے کہ کیا وہ اس کے ساتھ تعلق اور دوستی قائم رکھے گا؟

ولایت؛ خالق اور مخلوق کے درمیان دوہرے رشتے کا نام ہے

انسانی جسم کے تمام اعضاء، دل، آنکھ، پیٹ، ہاتھ، پاؤں، کان، جسم و جان، سوچ و فکر، دماغ الغرض جسم کے ہر ظاہری اور باطنی عضو کا تقویٰ ہے۔ جب انسان کو تقویٰ نصیب ہوجائے اور وہ بندہ اپنے حال کی نگرانی کرے تو وہ تقویٰ بندے کو ولایت تک پہنچاتا ہے اور ولایت سے جوڑتا ہے۔

ولایت کے دو معانی ہیں اور قرآن مجید میں بھی دو جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ.

”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔“ (یونس، ۱۰: ۶۲)

اللہ تعالیٰ جس جگہ پر، جس مقام پر اور جس کام میں ہمیں دیکھنا چاہتا ہے، وہاں پر ہم حاضر ہوں اور جہاں پر وہ ہمیں نہیں دیکھنا چاہتا، وہاں حاضر نہ ہوں، یہی تقویٰ ہے

دوسرے مقام پر فرمایا:

اَللهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ.

”اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔“ (البقرہ، ۲: ۲۵۷)

پہلی آیت مبارکہ کے مطابق بندہ؛ اللہ کا ولی ہے اور دوسری آیت کے مطابق اللہ؛ بندے کا ولی ہے۔ یعنی بندہ بھی ولی ہے اور اللہ بھی ولی ہے۔ معلوم ہوا کہ ولایت خالق اور مخلوق کے درمیان ایک دوہرے رشتے کا نام ہے۔ یکطرفہ تعلق سے ولایت نہیں بنتی۔ لہٰذا جب تک بندہ؛ اللہ کا دوست اور اللہ؛ بندے کا دوست نہ ہوجائے اور دوستی دونوں اطراف سے قائم نہ ہوجائے، تب تک ولایت وجود میں نہیں آتی۔

ولی؛ اللہ کے اوامر و نواہی کا نگران ہوتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ؛ اللہ کا ولی کیسے ہوتا ہے؟ اور اللہ؛ بندے کا ولی کیسے ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں ولی کا معنی سمجھنا ضروری ہے:

ولی کا ایک معنی نگران ہے۔ اگر بچہ یا بچی یتیم ہوجائے تو اس کا ایک ولی ہوتا ہے جو اس کی نگرانی کرتا ہے، اس کا دھیان رکھتا ہے اور اس کے معاملات کو سنوارتا ہے۔ اسی طرح نکاح کی تقریب میں لڑکی کی طرف سے ایک ولی بناتے ہیں، وہ ولی؛ لڑکی کی نمائندگی کرتا ہے، اسے بھی نگران کہتے ہیں۔ اب سوال یہ

ہے کہ اگر بندہ؛ اللہ کا ولی ہوا تو وہ کس شے کا نگران ہوا؟ اور اگر اللہ؛ بندے کا ولی ہوا تو وہ بندے کی کس شے کا کا نگران ہوا؟

بندہ جب اللہ کا ولی ہوتا ہے تو وہ اپنی زندگی میں اللہ کے ہر حکم کا نگران اور پہرے دار ہے، یعنی ولی وہ ہے جو اللہ کے اوامر و نواہی کا پہرے دار ہوتا ہے۔ اگر ہم رات کے وقت کسی کو پہرے دار مقرر کریں اور وہ رات کو سو جائے تو کیا ہم اسے اپنا پہرے دار مانیں گے؟ نہیں، بلکہ ایسے بندے کو نگران و پہرہ دار رکھیں گے جو ہمارے تفویض کردہ امور کی صحیح نگرانی کرے۔ معلوم ہوا کہ نگرانی اور غفلت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسی طرح نگرانی اور نافرمانی بھی ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔ بندہ نگران ہوگا یا پھر نافرمان ہوگا۔ اگر بندہ اللہ کے حکم کا نگران ہے تو پھر اللہ کے حکم کا نافرمان نہیں ہوسکتا۔

ولی کبھی غافل و بے ادب نہیں ہوتا

پس بندے کے اللہ کے ولی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہر امر کی نگرانی کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کام میں اللہ راضی ہوتا ہے اور کس کام میں ناراض ہوتا ہے۔ بندہ دیکھتا ہے کہ کون سا عمل مجھے اللہ کے قریب لے جائے گا اور کون سا عمل اللہ سے دور کردے گا۔ وہ اللہ کے قریب اور اس سے دور لے جانے والے امور کی نگرانی کرتا ہے۔۔۔ اللہ کی رضا اور ناراضگی کے معاملے کی نگرانی کرتا ہے۔۔۔ اس کی اطاعت اور معصیت کے معاملے کی نگرانی کرتا ہے۔ پھر بندہ ایسا کام نہیں کرتا جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ اگر اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی ہوگئی تو گویا بندہ اللہ کے امر کا نگران اور پہرے دار نہ رہا۔ اس لیے ولی کبھی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ جو شخص شریعت کے خلاف زندگی بسر کرے یا شریعت کے خلاف ایک قدم بھی اٹھائے، وہ ولی نہیں ہے۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص بہت بڑا ولی ہے۔ آپ نے فرمایا: چلو پھر اس کی زیارت کو چلتے ہیں۔ مریدین کو ساتھ لے کر طویل سفر طے کرنے کے بعد جب اس شہر میں پہنچے جہاں لوگوں میں مشہور و مقبول ولی رہتا تھا تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے اسے اس وقت دیکھا جب وہ مسجد میں داخل ہورہا تھا۔ لوگوں میں مشہور ولی کو ایک ہی نظر میں دیکھنے کے بعد حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے شاگردوں اور مریدوں سے اسی وقت کہا کہ چلو واپس چلتے ہیں۔ انھوں نے کہا: حضور! آپ اتنا طویل سفر کرکے آئے ہیں، اس سے سلام دعا بھی نہیں کیا اور واپس چلنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم اس کی ولایت دیکھنے آئے تھے مگر یہ ولی نہیں ہے۔ پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا: ولایت اور دوستی مولا سے ادب کا رشتہ ہے۔ جسے اللہ کے گھر کا ادب نہیں ہے، اسے اس مولا کا ادب کیا ہوگا؟ میں نے اسے مسجد میں اس حال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا کہ اس نے پہلے بایاں پاؤں مسجد کے اندر رکھا۔ سو جسے اس کے گھر کا ادب معلوم نہیں، وہ اس کی دوستی کا ادب کیا جانتا ہوگا؟

> بندہ جب اللہ کا ولی ہوتا ہے تو وہ اپنی زندگی میں اللہ کے اوامر و نواہی کا پہرے دار ہوتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کس کام میں اللہ راضی ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے دیکھا کہ جب اس نے تھوکا تو اس کا رخ قبلہ کی سمت تھا۔ جسے اپنے مولا کے گھر کی سمت کا بھی ادب نہیں، اسے اپنے مولا کی دوستی کا ادب کیا ہوگا اور وہ اپنے مولا کی دوستی کے راز کیا جانے؟

عام آدمی اور ولی میں فرق ہی یہ ہے کہ عام آدمی بے دھیانی کرتا ہے، جبکہ ولی بے دھیان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ مالک کے تعلق، دوستی، محبت، ادا اور وفا میں اتنا فنا ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے بھی تو بے دھیانی نہیں کرسکتا۔ یعنی ولی سے مالک کی نسبت میں بے ادبی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اللہ کے امر، اس کے ادب، اس کی شریعت اور اس کے حکم کی اتنی نگرانی کرتا ہے کہ بے دھیانی اس کے پاس سے بھی نہیں گزرتی۔

میرا ایک گارڈ تھا، ایک مرتبہ وہ سٹیج پر ڈیوٹی کررہا تھا کہ خطاب کے دوران وہ وجد میں آگیا۔ میں نے اسے ڈیوٹی

سے فارغ کردیا اور کہا: اگر وجد کرنا ہے تو فقیر بن اور اگر گن مین بننا ہے تو دھیان کر۔ یعنی گن مین کا کام وجد کرنا نہیں بلکہ دھیان رکھنا ہے۔ یہ دھیان کیا ہے؟ جیسی ڈیوٹی ہو، اسی طرح کا دھیان ہوتا ہے۔ اسی طرح ولی بھی ایک ڈیوٹی پر ہے اور اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ ہر وقت اپنے محبوب اور دوست کا دھیان رکھے۔ وہ ہر وقت یہی دیکھتا رہتا ہے کہ میرا دوست کس شے میں راضی ہوتا ہے۔۔۔؟ اسے کیا کام پسند ہے اور کیا ناپسند ہے۔۔۔؟ اس کے کہنے کے مطابق وہ سوتا، جاگتا، چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا اور پہنتا ہے۔ یعنی ولی ہمہ وقت اپنے دوست اور محبوب کی رضا و خوشنودی کے دھیان میں فنا رہتا ہے اور جسے محبوب کے دھیان کے سوا کسی شے کا خیال ہی نہ ہو وہ اس کے امر کو کیسے توڑ سکتا ہے۔

بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اور بعض اپنی نفس پرستی کو چھپاتے ہوئے یہ تصور کرتے ہیں کہ ولی شریعت سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کی پیروی تو مولویوں اور ظاہر بینوں کا کام ہے، ولی تو اس سے بلند ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! یہ تصور سراسر گمراہی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے بڑا کوئی ولی نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، جب اللہ کا نبی شریعت کے خلاف نہیں ہوسکتا تو اس کی امت کے ولی کی کیا مجال ہے کہ شریعت کو پسِ پشت ڈال دے۔ ایک ولی تو کیا اگر دس کروڑ ولی بھی ہوجائیں تو تاجدار کائنات ﷺ کے نعلینِ اقدس کی گرد کے برابر نہیں ہوسکتے۔ جو شریعت کو پسِ پشت کرتا ہے، وہ شریعت کو نہیں کرتا بلکہ صاحبِ شریعت کو پسِ پشت کرتا ہے۔ لہٰذا ولی کا معنی یہ ہے جو ہمہ وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر امر کا نگران رہے۔ ولی سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہی نہیں۔

اللہ بھی اپنے ولی کے احوال کا نگران ہے

اب آیئے! ولی کے دوسرے مفہوم کی طرف کہ اللہ بھی ولی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ.

’’اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔‘‘ (البقرہ،۲: ۲۵۷)

اس کا مطلب ہے کہ اللہ بھی نگران ہے۔ جیسے ولی اپنے مولا کے ہر ہر حکم کا نگران اور پہرے دار ہے، اسی طرح اللہ بھی اپنے ولی کی زندگی کو اپنی پسند کے مطابق رکھنے پر پہرے دار اور نگران ہے۔ یعنی جب اللہ کسی بندے کو اپنا ولی بناتا ہے تو پھر اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔۔۔ اپنے ولی کے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں آنے دیتا جو اسے پسند نہیں۔۔۔ وہ اپنے ولی کی زبان سے ایسی کوئی بات نکلنے نہیں دیتا جو لب و لہجہ اس کو پسند نہیں۔۔۔ اپنے ولی کی زندگی میں ایسا کوئی کام صادر نہیں ہونے دیتا جو اسے پسند نہیں۔۔۔ اپنے ولی کی زندگی میں ایسا قال اور حال نہیں آنے دیتا جو اسے ناپسند ہو۔

لہٰذا ولی کی زندگی کے سارے معاملات پر اللہ تعالیٰ خود نگران ہوتا ہے۔۔۔ اسے اپنی طاعت پر قائم رکھتا ہے۔۔۔ معصیت سے بچاتا رہتا ہے۔۔۔ اس کے دل کی حفاظت کرتا ہے۔۔۔ اس کی سوچ کی حفاظت کرتا ہے۔۔۔ اس کے ہر قول و فعل کی حفاظت کرتا ہے۔۔۔ اس کے اسوہ، وطیرہ اور مزاج کی اس قدر حفاظت کرتا ہے کہ ولی کا مزاج بھی اللہ کی رضا کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔

اللہ کو صرف اخلاقِ محمدی ﷺ پسند ہیں، وہ چاہتا ہے کہ میرا ولی میرے محبوب کے اخلاق، اسوہ، شیوۂ زندگی اور میری رضا کا پیکر بن جائے۔ ولی کی زندگی میں پائے جانے والے یہ پہلو وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نگرانی کرتا ہے۔ الغرض بندہ اللہ کی رضا کا نگران رہتا ہے اور اللہ اپنی رضا کے مطابق بندے سے اپنے اوامر و نواہی پر عمل درآمد کرنے کی توفیق کا نگران رہتا ہے۔

نفس اور روح کے مابین دل پر قبضہ کی جنگ

اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو چیزوں ’’جسم اور روح‘‘ کا مرکب بنایا ہے: انسان کے جسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ.

’’میں سِن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے گارے

سے ایک بشری پیکر پیدا کرنے والا ہوں۔‘‘ (الحجر،۱۵:۲۸)

پھر فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ.

’’پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔‘‘ (الحجر،۱۵:۲۹)

عام آدمی اور ولی میں فرق ہی یہ ہے کہ عام آدمی بے دھیانی کرتا ہے، جبکہ ولی بے دھیان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ مالک کے تعلق، دوستی، محبت، ادا اور وفا میں اتنا فنا ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے بھی تو بے دھیانی نہیں کرسکتا

پتہ چلا کہ جسم کا تعلق اس مٹی کی دنیا سے ہے اور اس میں وہی خاصیتیں ہیں جو اس مادی مٹی کی دنیا کی ہیں جبکہ روح کا تعلق اللہ کی بارگاہ سے ہے۔ لہذا اس میں بھی وہی خاصیتیں ہیں جو عالمِ ملکوت، عالمِ لاہوت اور عالمِ جبروت کی ہیں۔ روح ایک نور ہے جبکہ جسم ایک مادہ ہے۔ اللہ نے مادے کے پردے میں نور کا چراغ جلایا ہے۔ اب جسم یہ چاہتا ہے کہ میرے اندر موجود دل پر میرا قبضہ ہو اور وہ میرے جیسا ہوجائے۔ یعنی دل کی خوبیاں، صلاحیتیں اور صفات میرے جیسی ہوں جبکہ دوسری طرف روح بھی جنگ لڑ رہی ہے کہ دل میرے جیسا ہوجائے۔ اگر دل جسم جیسا ہوجائے تو سیاہ ہوجائے گا اور اگر روح جیسا ہوجائے تو روشن ہوجائے گا۔

جسم اور روح کی آپس میں یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ جسم؛ دل کو اپنے جیسا بنانے کی جنگ لڑتا رہتا ہے اور اس کا اپنا لشکر اور فوج ہے جس کے ذریعے وہ دل کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ روح؛ دل کو اپنے جیسا کرنے کی جنگ لڑتی ہے، اس کے پاس بھی اپنا لشکر ہے۔ گویا دل میدان جنگ ہے جہاں ہر وقت ایک معرکہ رہتا ہے اور اس معرکہ کے دوران دل کبھی اِدھر جاتا ہے اور کبھی اُدھر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر وقت کہتے ہیں کہ کیا کروں، دل نہیں لگتا۔۔۔ نماز کی بڑی کوشش کرتا ہوں مگر دل نہیں جمتا۔۔۔ تلاوت کرتا ہوں، اس میں دل نہیں لگتا۔۔۔ عبادت کرتا ہوں مگر دل کو سکون نہیں ملتا۔ یعنی جب کبھی اچھی محفل میں آجائیں تو دل آخرت کی طرف پرواز کرنا شروع کردیتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرلیتا ہے اور جب بری صحبت میں بیٹھیں تو دل تباہی کی طرف پرواز کرنا شروع کردیتا ہے اور شیطان کے بہکاوے میں آجاتا ہے۔

الغرض دل تقویٰ کی طرف بھی جاتا ہے اور فسق و فجور کی طرف بھی جاتا ہے۔۔۔ دل نیکی اور اطاعت کی طرف بھی جاتا ہے اور گناہ و معصیت کی طرف بھی جاتا ہے۔۔۔ یعنی دل دونوں طرف کی ہوا کی کشش میں رہتا ہے۔ ایک طرف مال، دولت، دنیا، عزت، جاہ و منصب، شہوت، غرور، تکبر، نفرت، بڑا پن اور میں ہے، دل کبھی اِدھر جھکتا ہے جبکہ ایک دنیا دوسری طرف بھی ہے جس میں اللہ کا ذکر، اس کی طاعت، عبادت، سجدہ، فاقہ، عشق، مستی، حضور ﷺ کی اتباع، متابعت، قربِ الٰہی، توکل ہے، دل اِدھر بھی جھکتا ہے۔ گویا اِدھر حرص، اُدھر بے نیازی۔۔۔ اِدھر لالچ اُدھر زہد۔۔۔ اِدھر دنیا کی پستی اُدھر روح کی بلندی۔۔۔ اِدھر دنیا ہے اور اُدھر آخرت ہے۔ الغرض دل دنیا میں جس طرح کی مجلس میں جاتا ہے، ادھر اڑنے لگتا ہے۔

دل کبھی **اسفل سفلین** بنتا ہے، کبھی **احسن تقویم** بنتا ہے۔۔۔ کبھی بلندی کی طرف اڑتا ہے کبھی پستی اور گراوٹ کی طرف جاتا ہے۔۔۔ دل کو ایک طرف جسم کھینچ رہا ہے تو دوسری طرف روح کھینچ رہی ہے۔ بالآخر جس نے قبضہ کرلیا، دل اسی کے حق میں چلا گیا۔ اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ اگر کوئی شہر کی حفاظت کرنے والا گھوڑے پر سوار ہوجائے تو گھوڑا اس سے شہر کی حفاظت کی خدمت کروائے گا، اگر اسی گھوڑے پر چور، ڈاکو،

لٹیرا سوار ہوجائے تو وہ لوٹ مار کروائے گا، اگر جان بچانے کے لیے کوئی گھوڑے پر بیٹھ جائے تو یہی گھوڑا لوگوں کی جان بچانے کے طور پر استعمال ہوگا اور اگر کوئی اسے قتل و غارت کے لیے استعمال کرے تو گھوڑے کی کیا مجال جو سوار کے حکم پر نہ چلے۔ لہذا جو سوار ہوجائے، گھوڑا اسی کا ہے۔ اسی طرح جو دل پر قبضہ کرلے، دل اسی کا ہے۔ گناہ قبضہ کرلے تو دل گناہ کا۔۔۔ اگر اس کی طاعت اور بندگی قبضہ کرلے تو دل اس کی طاعت کا۔۔۔ اگر جسم قبضہ کرلے تو دل جسم جیسا تاریک۔۔۔ اگر روح قبضہ کرلے تو دل روح جیسا روشن۔

یہی وجہ ہے کہ کئی لوگوں کے دل ناسوتی ہوتے ہیں۔۔۔ کئی لوگوں کے دل انسانی ہوتے ہیں۔۔۔ کئی لوگوں کے دل حیوانی ہوتے ہیں۔۔۔ اور کئی لوگوں کے دل شیطانی ہوتے ہیں۔ دل اگر پستی کی طرف چل پڑے تو شیطانی ہے اور اگر بلندی کی طرف چل پڑے تو انسانی ہے۔ اسی طرح کئی لوگوں کے دل روحانی اور رحمانی بھی ہوتے ہیں۔۔۔ کئی لوگوں کے دل ملکوتی اور جبروتی ہوتے ہیں۔۔۔ کئی لوگوں کے دل گناہوں کی گندی فضاء میں لت پت پھرتے ہیں۔۔۔ اور کئی لوگوں کے دل فرشتوں سے بھی بلند مالا اعلیٰ کی ہواؤں میں اڑتے ہیں۔

یہ جسم و روح کی جنگ ہے اس میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ دل کو کس کے حوالے کرتا ہے۔ اس جنگ میں ہم چاہیں تو روح کو فتح دلادیں، چاہیں تو جسم کو فتح یاب کرکے دل اس کے حوالے کردیں۔

جسم اور روح کی غذا

جسم اور روح کی غذا الگ الگ ہے۔ اِن دونوں کو جس قدر اِن کی غذا ملے گی اتنے ہی یہ طاقتور ہوں گے اور دل کو اپنے قبضہ میں کرنے کے قابل ہوں گے۔ جسم چاہتا ہے کہ زیادہ کھائے اور طرح طرح کے طعام سے لطف اندوز ہو جبکہ روح اس مالا اعلیٰ سے آئی ہے جہاں طرح طرح کے پکوان نہیں ہیں۔۔۔ جسم چاہتا ہے زیادہ سوئے جبکہ روح اس وطن سے آئی ہے جہاں سونے کا تصور ہی نہیں تھا۔۔۔ گویا روح کی خوراک اور تھی، جسم کی خوراک اور ہے، جسم کی خوراک وہ ہے جو ہم کھاتے پیتے ہیں مگر روح کی خوراک مولا کا ذکر اور اس کی قربت ہے۔ روح کی خوراک اس کی طاعت، اس کا سجدہ، اس کی عبادت، ذکر اور اس کا نور ہے اور روح اس میں مست ہے۔ جس قدر جسم کو خوراک ملتی ہے، وہ توانا ہوتا ہے، اسی طرح روح کو جتنا نور ملتا ہے وہ اتنا توانا ہوتی ہے۔

جسم چاہتا ہے دل بھی میری طرح غافل ہوجائے جبکہ روح چاہتی ہے کہ دل میری طرح شاغل ہوجائے۔ جب روح دل پر قابض ہوکر دل کو اپنے جیسا بنالے تو دل پر روح کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور روح ترقی کرکے سِر بن جاتی ہے اور دل ترقی کرکے روح بن جاتا ہے۔ یعنی دل؛ روح کے مقام پر آجاتا ہے اور روح سِر کے مقام پر اور اس طرح دل منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ جب انسان کا دل؛ روح کے رنگ میں رنگا جائے تو فرش پر چلنے والا انسان عرشی بن جاتا ہے اور جب فرشی انسان کا من اندر سے عرشی بن جائے تو سمجھ لیں وہ انسان ولی اللہ ہوگیا ہے۔ اس کا تن فرشی ہوتا ہے مگر مَن عرشی ہوجاتا ہے۔ جب یہ کیفیت نصیب ہوجائے تو اس کیفیت اور حالت کو ولایت کہتے ہیں اور ایسے انسان کو ولی کہتے ہیں۔

علامتِ ولایت

ولی کی علامت اور نشانی کیا ہے؟ ولی کی نشانی یہ ہے کہ اس کا دل سخی ہوجاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں ایک نخلستان سے گزرا، جہاں میں نے ایک جوان دیکھا جس کے چہرے پر معرفت اور ولایت کے آثار تھے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے اسے بغور دیکھا تو یوں لگا کہ اس نے کئی دن سے کھانا نہیں کھایا۔ میرے پاس تین روٹیاں تھیں، میں نے تینوں روٹیاں اس جوان کو دے دیں کہ وہ انھیں کھاکر اپنی بھوک مٹاسکے۔ اس نے وہ روٹیاں لے کر اپنے پاس رکھ لیں۔

تھوڑی دیر میں ایک کتا آیا اور اس جوان کے قریب بیٹھ گیا۔ اس جوان نے ایک روٹی اٹھائی اور کتے کو ڈال دی۔ کتے نے روٹی کھالی اور پھر جوان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دوسری روٹی بھی کتے کو ڈال دی۔ کتے نے دوسری روٹی بھی کھالی اور پھر اس جوان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے تیسری روٹی بھی اس کتے کو ڈال دی۔ کتے نے تیسری روٹی کھائی اور سیر ہوکر واپس بھاگ گیا۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس جوان کے قریب گیا اور کہا: اے جوان! آپ ان تینوں روٹیوں میں سے ایک روٹی کتے کو دے دیتے، دو اپنے لیے رکھ لیتے۔ بہت زیادہ کرتے تو اس کو دو دے دیتے اور ایک اپنے لیے رکھ لیتے، آپ نے تینوں روٹیاں اس کو دے دیں، اب آپ خود کیا کریں گے؟ اس جوان نے کہا کہ اس توفیق کی لذّت پر اللہ کا شکر ادا کروں گا۔ یعنی اس نے جو توفیق دی اب دن بھر اس کی لذّت میں رہوں گا اور شکر ادا کروں گا۔ اس جوان نے کہا کہ میں نے ساری روٹیاں اس کتے کو اس لیے دیں کہ ہماری یہ زمین نخلستان ہے، یہ زمین کتوں کی زمین نہیں ہے۔ ہمارے قصبے کے اردگرد دور دور تک کتے نہیں ہوتے۔ میں نے جب اس کتے کو دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ کتا کہیں دور سے روٹی کی تلاش میں آیا ہے اور بھوکا تھا۔ اس کے بار بار سر اٹھانے سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی بھوک ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مجھے شرم آئی کہ خود اپنے لیے روٹی رکھ لوں اور کتے کو بھوکا واپس بھیج دوں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ولی کتے کے جذبات کا اتنا خیال کرتا ہے تو انسان کے جذبات کا کس قدر خیال رکھتا ہوگا۔ ولی کا شیوہ اور وطیرہ یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا دل نہیں توڑتا۔۔۔ کسی کو گالی نہیں دیتا۔۔۔ کسی کو حقیر نہیں جانتا۔۔۔ کسی کو اوئے توئے نہیں کرتا۔۔۔ کسی کے ساتھ سخت لہجے میں بات نہیں کرتا۔۔۔ ولی لینے والا نہیں ہوتا بلکہ دینے والا ہوتا ہے۔ ولی کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، نیچے نہیں ہوتا۔۔۔ ولی معاف کرنے والا ہوتا ہے۔۔۔ ولی کنجوس نہیں ہوتا۔ لہذا جس کو کنجوس دیکھو، اس کو غلطی سے بھی ولی نہ سمجھو۔ اس لیے کہ جب ولایت کے باب میں بندے اور اللہ کا دوہرا رشتہ قائم ہوجاتا ہے تو ولی کی عادات بدل جاتی ہیں اور بشری و انسانی گھٹیا عادات کی جگہ ملکوتی عادات آجاتی ہیں۔

ولی کے دل، سوچ، قول و فعل، اسوہ، وطیرہ اور مزاج تک کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حتی کہ ولی کا مزاج بھی اللہ کی رضا کے مطابق ڈھل جاتا ہے

☆ حضرت شقیق بلخیؒ مدینہ طیبہ میں حضرت جعفر الصادقؓ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو سیدنا امام جعفر الصادقؒ نے فرمایا: شقیق تم بلخ (افغانستان) سے آئے ہو۔ تمہارے ہاں فتوت (ولی کی عادت) کا معنی کیا ہے؟ یعنی ولی کا طریقہ کیا ہے؟

حضرت شقیق بلخی نے جواب دیا کہ وہاں ولی کی فتوت کا معنی یہ ہے کہ ملے تو شکر کرے، نہ ملے تو صبر کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے شہر یعنی مدینہ میں کتوں کا یہی حال ہے۔ کتوں کو ملے تو شکر کرتے ہیں، دم ہلاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخی نے کہا تو پھر حضرت آپؓ کے ہاں فتوت کیا ہے؟ فرمایا: ہمارے ہاں فتوت یہ ہے کہ ملے تو بانٹ دے، نہ ملے تو شکر کرے۔

ملے تو بانٹ دینا سمجھ میں آتا ہے مگر نہ ملنے پر شکر سمجھ نہیں آتا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ولی نہ ملنے پر شکر اس لیے کرتا ہے کہ اگر حرام ملے تو عذاب ہے اور اگر حلال ملے تو حساب ہے۔ ولی کو اگر نہیں ملتا تو شکر اس لیے کرتا ہے کہ حساب سے بچ گئے۔ کیونکہ مولیٰ کی بارگاہ کا حساب بڑا سخت ہے، وہ شکر کرتے ہیں کہ مولا تو نے نہ دے کر حساب سے بچالیا۔

یہ ولی کا شیوۂ زندگی ہے۔ جو اللہ کی دوستی کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، ان کے شیوے اور طور طریقے بشری اور ناسوتی نہیں رہتے بلکہ ملکوتی ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلینﷺ

❁❁❁❁❁

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

کیا قبولِ اسلام کے لئے عمر کی حد مقرر ہے؟

کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنا دینِ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا ہر عمر کے افراد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاسکتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان کی نبوت ورسالت علاقہ، قوم اور زمانے کے لحاظ سے محدود تھی جبکہ آپ ﷺ کی نبوت دنیا کے تمام علاقوں کے لیے ہے، تمام اقوام کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اس بات کی تصدیق خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا.

آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔ (الاعراف، ۷: ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اب میں نے جس رہبر اعظم کو تمہاری طرف مبعوث کیا ہے، اس کی شانِ رہبری کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود ہے۔ جس طرح میری حکومت و سروری عالمگیر ہے، اسی طرح میرے محبوب کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ لہٰذا اب ہر خاص وعام، ہر امیر وغریب، ہر عربی وعجمی اور ہر رومی وحبشی، نبی آخر زماں ﷺ کا امتی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا، ۳۴: ۲۸)

اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مذکورہ بالا آیت آپ ﷺ کے پوری انسانیت کے لیے نبی ورسول ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح آپ ﷺ تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں اسی طرح تمام عالمین کے لیے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت ہے۔ لہٰذا کوئی بھی انسان آپ کے دائرہ دعوت سے باہر نہیں ہے۔ اس کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔

(مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحویل القبلۃ من القدس إلی الکعبۃ، ۱: ۳۷۱، الرقم: ۵۲۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت اور دعوتِ دین پوری نسلِ انسانی کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے باقی فرائض امت کو منتقل ہوئے ہیں اسی طرح دعوت کا فریضہ بھی امت کو منتقل ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے پیروکار بحیثیت امت اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا پیغام نسلِ انسانی تک پہنچائیں۔ اگر امت میں دعوت کا یہ عمل جاری رہے گا تو امت بری الذمہ ہوگی لیکن اگر کسی دور میں

امت میں دعوت کا یہ عمل رک جائے گا یعنی نسل انسانی تک اسلام کا پیغام پہنچنے کا عمل معدوم ہو جائے گا تو نتیجے میں بحیثیت امت پوری امت مسلمہ گناہگار ٹھہرے گی۔ یہ دعوت اسلام کی اصولی حیثیت ہے۔ لہٰذا قیامت تک دعوتِ اسلام کا عمل جاری رکھنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (آل عمران، ۳: ۱۰۴)

’’اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں۔‘‘

پس دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت جمیع انسانیت کے لیے ہے اور یہ حکم تا قیامت باقی رہے گا۔ اس کے مخاطبین میں ہر عام و خاص، ہر پیرو جوان اور مرد و خواتین یعنی تمام ذی شعور جن و انس شامل ہیں۔ وہ لوگ جو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اِن میں سے ایک جماعت دعوتِ دین کا فریضہ سرانجام دیتی رہے۔

دینِ اسلام کی دعوت دینا کیوں ضروری ہے؟

کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہی ہے تو کیا باقی ادیان حق نہیں ہیں؟ اس کے جواب میں حافظ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ اتِّبَاعُ الرُّسُلِ فِيمَا بَعَثَهُمُ اللّٰهُ بِهِ فِي كُلِّ حِينٍ، حَتّٰى خُتِمُوا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي سَدَّ جَمِيعَ الطُّرُقِ إِلَيْهِ إِلَّا مِنْ جِهَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت واتباع کو اسلام کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیّدنا محمد ﷺ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اتباع محمّدی کا نام اسلام ہوگیا۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۵۵)

یہی وجہ ہے کہ اب سابقہ شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب صرف اور صرف شریعت محمدی ﷺ کی پیروی لازم ہے۔ لہٰذا انسانیت کی بہتری کے لیے دین اسلام کی دعوت دینا بے حد ضروری ہے کیونکہ اب دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنانے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں فائدہ اٹھانے والا نہیں ہے بلکہ نقصان اٹھانے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَo (آل عمران، ۳: ۸۵)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یعنی اب اسلام ہی ایک عالمگیر دین ہے جس کی دعوت پوری نسل انسانی کے لیے، دنیا کے تمام علاقوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اسی دعوت وارشاد کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امتِ خیر قرار دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ. (آل عمران، ۳: ۱۱۰)

تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

جب خیر امت جیسے جلیل القدر لقب سے سرفراز ہونے کی وجہ ہی دعوتِ دینِ اسلام ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت وارشاد کا عمل چھوڑ کر امتِ محمدی ﷺ کسی صورت بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتی، لہٰذا دینِ اسلام کی دعوت دینا ہمارا اہم فریضہ ہے۔

راہِ ہدایت کی طرف نہ بلانے کی سزا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود واضح نشانیوں اور ہدایت کو لوگوں تک پہنچانے کی بجائے چھپاتے ہیں، انہیں باری تعالیٰ نے ملعون قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَo (البقرة، ۲: ۱۵۹)

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور

ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کردیا ہے تو انہی لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے) اور لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے اُن علماءِ سوء کا ذکر ہے جو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کے خصائص وکمالات کو چھپاتے تھے یا پھر اپنی خواہشِ نفس کے مطابق تحریف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت بھیجی ہے۔ اگر آج بھی کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے کمالات اور دینِ حق کی ترویج واشاعت کی بجائے رکاوٹ کا سبب بنے گا تو رحمتِ باری تعالیٰ سے محروم رہے گا۔

دعوتِ اسلام ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت واجب ہے

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور دین اسلام کی دعوت دینا ہی رسول اللہ ﷺ کی راہ ہے۔ اسی راہ پر ہمیں بھی چلنے کا حکم ہے اور یہی آپ ﷺ کی اتباع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَo

(اے حبیبِ مکرّم!) فرما دیجیے :یہی میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (یوسف، ۱۲: ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کا پرچار کرنا لازمی امر ہے، یہی حکم تمام انبیاء کرام اور رُسل عظام کو تھا اور اب یہی حکم قیامت تک آنے والے تمام جن وانس کو ہے کہ توحید ورسالت کی تبلیغ کریں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِo (الأنبياء، ۲۱: ۲۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا دین اور قابلِ عمل دین اسلام ہی ہے۔ اس کی ترویج واشاعت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کو فروغ دینے کی کاوش کرے۔ جہاں علم کی ضرورت ہے وہاں علماء کرام اپنے علم کی روشنی پھیلائیں۔۔۔ جہاں مالی مدد کی ضرورت ہے وہاں مالدار اپنا مال خرچ کریں۔۔۔ سوشل، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے احباب اپنی خدمات پیش کریں۔۔۔ یعنی جو جس شعبہ میں بھی ہے وہ اپنی اہلیت واستعداد کے مطابق دین اسلام کے لیے جس نوعیت کی خدمات پیش کر سکتا ہے، ضرور پیش کرے۔ یہ ہر ایک کی استطاعت کے مطابق اس کا فریضہ ہے۔ مقصد دعوتِ دین ہے تاکہ ہم احکامِ باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہوتے رہیں۔

اسلام میں جبراً تبدیلیٔ مذہب کا کوئی تصور نہیں

کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنا دینِ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حصین انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلہ بنی سالم بن عوف سے تعلق رکھتے تھے جب اسلام لائے تو ان کے دو بیٹے نصرانی تھے۔ شفقتِ پدری کے پیشِ نظر وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کے بیٹے بھی رسالت مآب ﷺ کے خوشہ چین بن جائیں اور اسلام کی برکتوں سے مستفیض ہوں۔ اپنے طور کافی کوشش کے بعد ایک دن حضرت حصین انصاری رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ آقا ﷺ مجھے اجازت ہوتو میں اپنے بیٹوں کو کچھ ڈرا دھمکا کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ کیونکہ مجھے ان کا نصرانی رہنا بہت شاق گزرتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطلہ کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ

خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ (البقرہ،۲: ۲۵۶)

اس کے بعد حضورﷺ نے انہیں فرمایا کہ دینِ اسلام میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ اللہ نے ہدایت و ضلالت دونو ں کے راستے واضح کردیئے ہیں۔ دین کے بارے میں کسی کو زبردستی مجبور نہ کیا جائے، اللہ نے کھلی ہدایت دینے کے بعد لوگوں کو اختیار دے دیا ہے۔ (القرطبی، الجامع لأحکام القرآن،۳: ۲۷۹)

دینِ اسلام برحق ہے پھر بھی حق کے واضح ہونے کے بعد اسلام اِنسان کو اِختیار دیتا ہے کہ چاہے وہ مومن بن جائے، چاہے کفر اِختیار کرے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ.

اور فرما دیجیے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔ (الکھف،۱۸: ۲۹)

اسلام ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذاہب کے عقائد کے مطابق عمل پیرا رہتے ہوئے جینے کا حق دیتا ہے۔ نہ کسی کے مذہب کو چھیڑنے کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی اپنا مذہب چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ سورۃ الکافرون میں ایک مکالمہ بیان کر کے آخر پر ارشاد فرمایا:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِo (الکافرون،۱۰۹: ۶)

(سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے۔

لہٰذا دینِ اسلام میں جبراً مذہب تبدیل کروانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر مذہب اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر بخوشی دین اسلام قبول کرنا چاہے تو اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ اگر کوئی ریاست، گروہ یا فرد واحد مسلمانوں پر ظلم وستم بھی ڈھائے تو اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کو امن کی دعوت دینا لازم ہے۔ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اور بعض اسلام دشمنی کے سبب اسلامی تعلیمات کو سیاق سباق سے ہٹا کر پیش کرتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کی خاطر زور زبردستی اور جبرواکراہ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ ہرگز اسلامی تعلیمات میں جبرواکراہ نہیں ہے۔

کم سنی میں قبولِ اسلام اور خدمات پیش کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

دورِ نبویﷺ میں بہت سے صحابہ کرام کم عمری میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے ایسے تھے جنہوں نے کم سنی میں اپنی خدمات دینِ اسلام کے لیے پیش کیں لیکن اختصار کی خاطر چند صحابہ کرام کا ذکر درج ذیل ہے:

(۱) سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا علی علیہ السلام کی قبول اسلام کے وقت عمر آٹھ سال لکھی ہے۔ بعض روایات میں دس سال یا اس سے بھی کم عمر کا ذکر ہے۔ آپ علیہ السلام بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ (البخاری، التاریخ الکبیر،۶:۲۵۹)، (ابن سعد، الطبقات الکبری،۳: ۲۱)، (طبری، تاریخ الأمم والملوک،۱: ۵۳۹)

(۲) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے جبکہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ بالغ نہیں تھے۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے بالغ ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری،۴: ۱۴۲)

(۳) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گیارہ سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ،۳: ۴۷۶، الرقم:۵۷۷۵)

(۴) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دس سال کی عمر میں نبی کریمﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو آپﷺ نے خدمت کے لیے قبول فرمایا۔

(العسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ،۱: ۱۲۶)

(۵) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

انہوں نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے آپ کو غزوہ احد میں شرکت کے لیے پیش کیا۔ (الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ۳: ۶۵۰، الرقم: ۶۳۸۹)

(۶) سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ سولہ سال کی عمر میں غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔

(ابن الأثیر، أسد الغابۃ، ۲: ۲۷۶)

(۷) یہودی لڑکے کا قبولِ اسلام

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر اس سے فرمایا: اسلام قبول کر لے۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا اور اُس سے کہا: ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ.

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچا لیا۔

(البخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی فمات ہل یصلی علیہ وہل یعرض علی الصبی الإسلام، ۱: ۴۵۵، الرقم: ۱۲۹۰)

جبراً اسلام قبول کروانا اور کسی کو قبولِ اسلام سے روکنا جائز نہیں

جبراً اسلام قبول کروانے کے حوالے سے قرآن وحدیث میں بالکل واضح ہے کہ کسی صورت اس عمل کی اجازت نہیں ہے۔ اس کو آئین وقانون کا حصہ بنانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن اس کی آڑ میں اپنی رضامندی سے اسلام قبول کرنے والے شخص کو ایڈیشنل سیشن جج صاحب سے درخواست کے چکروں میں ڈال کر قبولِ اسلام میں تاخیر کروانا اور اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کو اسلام قبول کرنے کی اجازت نہ دینا کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر گامزن فرمادے، اس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنا جائز نہیں ہے۔

جس طرح جبراً کسی شخص کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا عین اسی طرح ایک غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر عمر کی قید لگا کر یا دیگر تاخیری ہتھکنڈے استعمال کر کے اسلام قبول کرنے سے روکنے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی جبر ہے اور مذہبی آزادی چھیننے کے مترادف ہے۔ یعنی جس طرح اسلام میں قبولِ اسلام کے حوالے سے جبرو اکراہ جائز نہیں، اسی طرح کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے سے روکنا اور اس کو اسلام کی برکتوں سے محروم کرنا بھی ہرگز جائز نہیں ہے۔

حاصلِ کلام

مذکورہ بالا تمام دلائل وبراہین سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دینِ اسلام ایک عالمگیر دعوتی دین ہے۔ لہٰذا دینِ اسلام کی دعوت عام کرنا ہمارا ایمانی تقاضا ہے۔ دعوتِ دین کی ذمہ داری نبھانا پیغمبرانہ شیوہ ہے، اس لیے کوئی زمانہ بھی اس عمل سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی انسانی تربیت کے لیے یہ ضروری امر ہے۔ جہاں اسلام جبراً کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، وہیں ہر عمر کے افراد کو اپنی مرضی اور ارادہ واختیار سے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ ڈالنے سے بھی منع کرتا ہے۔ اگر جبراً کسی مذہب میں داخل کرنا اِنسانی حقِ آزادی کے خلاف ہے تو اِسی طرح اپنی خوشی سے اسلام قبول کرنے سے منع کرنا بھی حقِ آزادی پر قدغن لگانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کو قبولِ اسلام کی اجازت نہ دینا اور اٹھارہ سال سے زائد عمر کے افراد کو اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود فوری اسلام میں داخل ہونے سے محروم کرنا یعنی تاخیری ہتھکنڈے استعمال کرنا، اِنسانی حقِ آزادی کی خلاف ورزی اور بین الاقوامی قوانین کے خلاف ہے جسے نہ صرف اسلام بلکہ مہذب دنیا کے تمام عصری قوانین ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ❁❁❁❁❁

ادب العلم وادب النفس

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

اختلافِ رائے برداشت کرنے کا کلچر پروان چڑھانا ہوگا

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطابات سے اقتباسات

زندگی کو بامقصد کیسے بنایا جائے؟

بے مقصد زندگی کسی کے بھی کام نہیں آتی، نہ گزارنے والے کے اور نہ ہی معاشرے کے کسی کام آتی ہے۔ زندگی کو بامقصد و بامراد بنانے کے لیے سب سے پہلے اس امر کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. (الفاتحہ،۱:۵)

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

فرمایا اے بندے تو اپنی ہر نماز کا آغاز و افتتاح اس مقصدِ حیات کے عنوان سے کر کہ ''مولا ہمیں سیدھی راہ دکھا۔'' اب یہاں بندہ اپنے مولا سے صرف صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت نہیں مانگتا بلکہ ''اھدنا'' کہہ کر اجتماعیت کی شکل میں اللہ کے حضور استدعا کرتا ہے کہ مولا صرف میری ہی نہیں بلکہ تمام امتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم کی طرف گامزن فرما۔

یہ امر ذہن میں رہے کہ مقصدیتِ حیات تب نصیب ہوتی ہے جب بندے کو سیدھی راہ پر چلنے کی طلب اور خواہش بھی ہو اور وہ اس خواہش پر اپنا ارادہ (Intention) بھی واضح کرے۔ جب بندہ اپنے مولا سے سیدھی راہ پر چلنے کی دعا مانگتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو منزلِ مقصود کا ادراک ہے۔ یعنی جب ہمیں خبر ہوگی، فہم ہوگا، فکری واضحیت (Conceptual clarity) ہوگی، مقصد سے آگہی ہوگی اور پتہ ہوگا کہ جانا کہاں ہے، تب ارادہ پختہ ہوگا۔ جب انسان کو واضح ہو کہ میں نے کس سمت جانا ہے۔۔۔ کہاں سفر کرنا ہے۔۔۔ میری منزل اور میرا مقصد کیا ہے۔۔۔ میں سفر کیوں کر رہا ہوں اور کہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔۔۔؟ تو تب **اراۃ الطریق** یعنی ''راستہ دکھانے'' کا مرحلہ آئے گا۔

مقصد کے ادراک اور فہم کے بعد بندہ جب اپنے مولا سے اخلاص کے ساتھ دعا کرتا ہے، خود کو عاجزی کے ساتھ پیش کرتا ہے، گڑگڑاتا ہے اور اس سے مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھے رشد و ہدایت عطا فرما تو پھر اللہ رب العزت کرم فرماتا ہے اور اسے ہدایت کی دولت سے نوازتا ہے۔

اللہ رب العزت سیدھی راہ ڈائریکٹ نہیں دکھاتا بلکہ سیدھی راہ کے لیے انعام یافتہ لوگوں کی صحبت میں بھیج دیتا ہے۔ یعنی وہ فرماتا ہے کہ میرے انعام یافتہ مقربین، اولیاء و صالحین کی صحبت و سنگت تمہیں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرے گی اور تمہیں اس قابل بنائے گی کہ تمہیں مقصدِ حیات نصیب ہوجائے گا۔ بعد ازاں جب بندہ ان اولیاء و صالحین کی صحبت اختیار کرتا ہے تو پھر **صراط الذین انعمت علیھم** کے مصداق ان اولیاء و صالحین کی پیروی اختیار کرتا ہے، ان سے جڑتا اور وابستہ ہوتا ہے۔ ان کے علم، تقویٰ، عمل، صحبت اور سنگت سے فیض یاب ہوتا ہے اور ان کے ساتھ خود کو وقف کرتا ہے تو صراطِ مستقیم پر گامزن ہوجاتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟ تو قرآن مجید نے انعام یافتہ لوگوں سے متعلق فرمادیا کہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا. (النساء،۴:۶۹)

’’اور جو کوئی اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔‘‘

انعام یافتہ لوگوں میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں۔ لہٰذا ان چار طبقات کے ساتھ بیٹھا کرو۔ یہی تمہاری زندگیوں کو بامقصد بنانے میں تمہاری مدد کریں گے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی پہچان کیا ہے؟ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی پہچان کرادی، فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللهُ. (سنن کبریٰ للنسائی، رقم:۱۱۱۷۱)

اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جنھیں دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔

یعنی انعام یافتہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی سنگت، صحبت، قربت اور معیت میں وقت گزارا جائے تو اللہ یاد آجائے۔ یعنی جن کے ساتھ گزرا ہوا وقت ہمارے دل میں ہر آن اللہ رب العزت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا نور روشن رکھے۔

ہماری زندگی کیسے گزرنی چاہیے؟ انعام یافتہ لوگ ہی ہمیں اس بارے بتاتے ہیں۔۔۔ ہمارے معاملات کیسے ہوں؟ یہی طبقہ ہمیں سکھاتا ہے۔۔۔ ہماری تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟ یہ ہمیں گائیڈ کرتے ہیں۔۔۔ ہماری دنیا کیسی ہونی چاہیے؟ یہ ہمیں سمجھاتے ہیں۔۔۔ ہماری آخرت کیسی ہونی چاہیے؟ یہ ہمیں اس کے لیے رشد و ہدایت عطا کرتے ہیں۔۔۔ ہم نے اللہ کی رضا جوئی کیسے حاصل کرنی ہے؟ یہی ہمیں بتاتے ہیں۔۔۔ اللہ کی ناراضگی سے کیسے بچا جائے؟ یہی لوگ ہمیں بتاتے ہیں۔۔۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن کیسے ہوا جائے؟ یہی لوگ ہمیں سکھاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر ہم اس ٹریک پر آجائیں تو یہ ٹریک ہمیں بے راہ روی سے بچاتا ہے، ہمیں دائیں بائیں نہیں ہونے دیتا بلکہ یکسوئی کے ساتھ منزل اور مقصد کی طرف گامزن رکھتا ہے۔

اگر انسان کی سمت ٹھیک ہو اور منزل واضح ہو تو وہ اس زندگی میں راکٹ کی رفتار سے سفر کرتا ہے اور اگر کسی کی منزل واضح نہ ہو اور کوئی صحبت نہ ملی ہوئی ہو تو اس سے زیادہ بدنصیب کوئی شخص نہیں۔ پھر اس کا سفر ایسے ہوتا ہے جیسے کولھو کا بیل ہے کہ وہ سفر طے کر بھی رہا ہوتا ہے مگر اپنی جگہ پر ہی ایک دائرہ میں موجود رہتا ہے۔ لہٰذا بے راہ روی سے بچنے کا جو واحد راستہ ہے وہ ڈائریکشن اور سمت کا نصیب ہونا ہے اور ڈائریکشن اللہ کے ولی اور انعام یافتہ لوگوں کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

سیکڑوں مسائل کا فوری حل

امام یونس صوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے بڑھ کر اپنے وقت کا عاقل، ذہین اور فطین کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم دونوں کے درمیان کسی موضوع پر بحث ہوئی اور اختلافِ رائے ہوگیا، اس کے بعد ہم جدا ہوگئے۔ ایک عرصے کے بعد امام شافعی مجھے ملے اور میرا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگے:

یا ابا موسیٰ! اختلاف اپنی جگہ، دلیل تمہیں پسند نہیں آئی یا مجھے پسند نہیں آئی، بہر حال اختلاف ہوگیا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بھائی بھائی ہوکر رہیں اور اختلاف اپنی جگہ رہے۔

یہ وہ رویہ، وسعتِ قلبی اور حسنِ اختلاف تھا جس کی وجہ سے سلف صالحین اس علم و ادب کے دروازے تاقیامت امت کے لیے کھول گئے۔ یہی وجہ ہے کہ علمی مباحث میں کہیں فروع پر استدلال کی بنیاد پر اختلاف ہے اور کہیں استنباط کی بنیاد پر اختلاف ہے، کہیں تشریحات اور توضیحات پر اختلاف ہے۔ اہلِ علم وہ تھے جو اختلاف کو امت کے لیے رحمت سمجھا کرتے تھے اور اسے اتحاد سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا علم آج تک ختم نہیں ہوسکا بلکہ سمندر کی طرح رواں دواں ہے اور ہر عام و خاص فیض یاب ہورہا ہے۔

جیسی نیت ویسا معاملہ

ادب العلم اور ادب النفس کیا ہے؟ جیسے حصولِ علم کے آداب ہیں ویسے اپنے نفس اور اپنی ذات کے بھی آداب ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ علم مجھ سے آگے منتقل ہو اور فروغ پائے مگر کوئی ایک شخص بھی اس علم کو میری ذات سے منسوب نہ کرے۔

جب عالم اس مقام پر فائز ہوجائے تو وہ عالم نہیں رہتا بلکہ عارف ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ فرماتے ہیں کہ:

کن مع الله بلاخلق، و کن مع الخلق بلا نفس.

اے بندے جب اللہ سے اپنا رابطہ قائم کرو تو ایسے ہوجاؤ جیسے درمیان میں خلق ہے ہی نہیں۔ اسی طرح جب اللہ کی مخلوق سے رابطہ قائم کرو تو ایسے ہوجاؤ جیسے درمیان میں نفس ہے ہی نہیں۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ:

میں جب بھی کسی مجلس میں تواضع اور انکساری کی نیت سے بیٹھا تو اٹھتے وقت پوری مجلس پر فائق ہوچکا تھا اور جب بھی کسی مجلس میں فوقیت کی نیت سے بیٹھا تو اٹھنے سے پہلے میں رسوا ہوچکا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

جو شخص وقت سے پہلے منصب کی تلاش میں لگ جاتا ہے وہ ساری زندگی ذلیل و خوار ہوتا رہتا ہے۔

یعنی جو بندہ ایسا پھل کھانے کی خواہش کرے جو ابھی پکا نہ ہو تو وہ ہمیشہ بیمار ہی رہتا ہے۔ جو جس منصب کے اہل نہ ہو اور وہ منصب مانگ لے تو منصب ملنے کے باوجود وہ ہمیشہ رسوا ہی رہتا ہے۔

قبر کی تنہائی کو رونق میں کون بدلے گا؟

ایک مرتبہ حضرت شقیق بلخی نے حضرت حاتم الاصم سے پوچھا کہ اے حاتم! آپ نے تیس سال میری صحبت میں گزار دیئے، ان تیس سالوں میں آپ نے کیا سیکھا؟ آپ فرماتے ہیں کہ:

میں نے آپ کی صحبت میں یہ مشاہدہ کیا کہ اللہ کی مخلوق میں دو ہی رشتے ہیں یا تو مجھے کوئی محبّ نظر آیا ہے یا کوئی محبوب نظر آیا ہے۔ میں نے غور کیا تو ایک تلخ حقیقت دیکھی کہ محبّ تو ساری زندگی محبوب سے محبت کرتا رہا مگر جب وہ محبّ بیمار ہوا تو کچھ محبوب ایسے تھے جو اپنے محبّ کی عیادت کرنے کے لیے صرف اس کے بستر مرگ تک گئے اور واپس آگئے۔ کچھ محبوب ایسے تھے کہ جب محبّ اللہ کو پیارا ہوگیا تو اس کے جنازے کو قبر تک لے گئے اور اس کی قبر کے کنارے سے ہوکر آگئے۔ کچھ محبوب ایسے تھے جو اپنے محبّ کو دفن کرکے آگئے۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر محبوب ایسا تھا یا تو وہ اس کی بیمار پرسی تک گیا یا اس کو قبر تک دفنانے کے لیے گیا مگر ہر محبوب اپنے محبّ کو قبر میں تنہا چھوڑ کر آگیا۔ اب وہ محبّ جو ساری زندگی اپنے محبوب کا دامن پکڑ کر رکھتا تھا، اس کے نخرے برداشت کرتا تھا، اس کے لیے ترلے اور منتیں کرتا تھا، اس کے لیے خرچ کرتا تھا لیکن جب موت کا وقت آیا تو وہ محبوب؛ محبّ کو تنہا اندھیری کوٹھڑی میں چھوڑ کر آگیا۔ وہ نہ تو اس کا آسرا بنا، نہ اس کی وحشت میں اس کا سہارا بنا، نہ اس کی فرقت میں اس کی قربت بنا، نہ اس کی تنہائی کو ختم کرنے کے قابل بنا۔

میرے شیخ! میں نے اس معاملے میں بڑا غور کیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ پھر میں سمجھ گیا اور خود اپنے آپ سے کہا کہ بھئی اچھا محبوب تو وہ ہے جو محبّ کی قبر میں داخل بھی ہوجائے اور جب محبّ کو محبوب کی ضرورت پڑے تو وہ اس کے ساتھ ہو۔ وہ تنہا ہو تو اس کی تنہائی کو دور کرے۔۔۔ وحشت میں ہو تو اس کی پریشانی دور کرے۔۔۔ جب پریشانی میں ہو تو اس کا سہارا بنے۔۔۔ جب پھنس رہا ہو تو وہ اسے بچا رہا ہو۔۔۔ جب سوال و جواب کا موقع آئے تو مدد کر رہا ہو۔۔۔ جب فرشتوں کی گرفت میں ہو تو نکال بھی رہا ہو اور ان سے چھڑا بھی رہا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اصل محبوب وہ ہوتا ہے جو قبر میں بھی بندے کے کام آئے۔

فرماتے ہیں کہ اے میرے شیخ! میں نے اپنا زاویۂ نگاہ بدل لیا اور اس دن کے بعد اپنا محبوب ہی بدل لیا۔ انھوں نے پوچھا: پھر کس کو محبوب بنایا؟ فرمایا:

اے شیخ! میں نے اس کے بعد نیکی اور تقویٰ کو اپنا محبوب بنالیا۔۔۔ میں نے طہارت، زہد و ورع، عبادت و ریاضت، اللہ کے ذکر، قیام اللیل، تلاوت قرآن، تذکرہ قرآن اور تذکرہ حدیث کو محبوب بنالیا۔۔۔ عبادت و طہارت کو اپنا جینا مرنا بنالیا اور سمجھ گیا کہ یہ وہ آسرا ہے، یہ وہ محبوب ہے کہ اگر میں تنہا بھی

ہوں گا تو یہ میرے لیے اجالا ہوگا۔۔۔ میں اکیلا ہوں گا تو یہ میرا چراغ ہوگا۔۔۔ میں پھنس بھی جاؤں تو مجھے بچالے گا۔۔۔ میں گرفت میں آجاؤں تو مجھے چھڑالے گا۔ اس کے بعد سے میں نے دنیا کے محبوب چھوڑ دیئے اور اللہ کی تعلیمات اور اللہ والوں کو اپنا محبوب بنالیا۔

تمام جھگڑوں کا واحد علاج

آج قوم کے اندر اس مزاج کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو مزاجِ مصطفویﷺ ہے۔۔۔ آج قوم کے اندر اس اخلاق کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو اخلاقِ مصطفویﷺ ہے۔۔۔ آج قوم میں ان رویوں کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو سنت واسوہ مصطفیٰﷺ سے مزیّن ہوں۔ آج تفرقے اور انتشار وفساد کا شکار لوگوں کو ’’تعالوا الی کلمة سواء بيننا وبينكم‘‘ کے مصداق مشترک عقائد کی طرف لانے کی ضرورت ہے۔

آج اختلافِ رائے کی حقیقت کو سمجھنے اور اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کے کلچر کی ضرورت ہے۔ یاد رکھیں! اگر اختلاف رائے نہ ہوتا تو یہ مذاہب کبھی جنم نہ لیتے، پھر امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام جعفر الصادق، امام ابو یوسف اور امام محمد بھی نہ ہوتے۔ یہ اختلاف رائے کی برکت ہے کہ اللہ رب العزت نے اس دین میں وسعت عطا کی۔ فروعات میں اختلاف کا نہ ہونا معیوب نہیں، ہاں مگر اصل اور بنیاد میں کوئی اختلاف نہ کرے۔

ایک روز امام الشافعیؒ سلام کرنے اور فاتحہ پڑھنے کے لیے امام اعظمؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ فجر کی نماز کا وقت آگیا تو آپ نے متصل مسجد میں نماز ادا کی۔ آپ کے شاگرد نے دیکھا کہ آج امام شافعی نے قنوتِ نازلہ جو اُن کے نزدیک سنت موکدہ ہے، اسے ترک کردیا ہے۔ جب نماز پڑھ لی تو شاگرد آکر پوچھنے لگا کہ حضرت یہ کیا ہوا؟ آج یہاں آپ نے سنت موکدہ ہی چھوڑ دی۔ فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میں جن کی بارگاہ میں سلام کرنے آیا ہوں، ان کی مخالفت کرتا پھروں، میری فقہ اپنی جگہ مگر امام اعظم کا ادب اپنی جگہ۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل کا فتویٰ تھا کہ اگر حجامہ کے ذریعے خون نکالا جائے یا قے آجائے تو اس کے بعد وضو کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ کسی نے فتویٰ پوچھا: کیا آپ کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جو حجامہ کے بعد وضو کرنا لازم نہیں سمجھتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں امام مالک کے پیچھے نماز نہ پڑھوں۔ فرمایا: فقہ اپنی جگہ، مذہب اپنی جگہ، اختلافِ رائے اپنی جگہ مگر امام دارالھجرۃ کا مقام اور ادب اپنی جگہ ہے۔

سمارٹ فون کا سمارٹ مین کیسے بنا جائے؟

آقاﷺ نے فرمایا: عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے۔ وہ یہ نہ بھولے کہ دنیا فانی ہے اور ختم ہونے والی ہے۔ پھر فرمایا: ناتواں اور کمزور وہ شخص ہے جو خواہشِ نفس کی پیروی کرتا رہے اور بعد میں کہے: ’’اللہ مجھے بچائے اور اللہ مجھے معاف کرے۔‘‘

سیدنا عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں: اپنا محاسبہ کرو، اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

آج کے سوشل میڈیا کا عقلمند وہی ہے جو اپنا محاسبہ کرے۔ پہلے اپنے الفاظ کو تولا کرو، اپنے ارادوں کو تولا کرو، اپنی پوسٹ کو تولا کرو، قبل اس کے کہ تمہیں تولا جائے۔ یہ ذہن نشین کرلیں کہ آج سوشل میڈیا ایک بہت بڑا میدان ہے اس کا فائدہ بھی ہے اور دوسری طرف یہ دجالی فتنہ بھی ہے۔ اگر سوشل میڈیا کو صحیح طریقے سے استعمال کیا گیا تو رحمت ہے اور غلط طریقے سے استعمال کریں تو زحمت بھی ہے، فساد بھی ہے اور اس میں گرفت بھی ہے۔

سوشل میڈیا کے استعمال کے حوالے سے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ جو بات ہماری زبان پر ہے اس پر کنٹرول بھی ہو، جب وہ بات زبان سے نکل گئی تو سمجھ لیں تیر کمان سے نکل گیا۔ اپنے اندر تحمل اور برداشت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم بھول جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کی ایسی تیسی کردو، فلاں کو جواب دے دو، دیکھی جائے گی۔ یہ جو دیکھی جائے گی، فلاں کو سمجھادو، فلاں کی ایسی تیسی کردو، بلاگ لکھ دو، مخالفت میں لکھتے چلے جاؤ، اس رویّے میں ہم اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اور خود کو اس دلدل میں دھنساتے چلے جاتے

ہیں جس سے نکلنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔

آقا ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوشل میڈیا پر ہماری زبان بھی چلتی ہے اور ہمارے ہاتھ بھی چلتے ہیں۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ کیا ہم اپنی پوسٹ سے لوگوں کی دلجوئی کر رہے ہیں؟ ان کے دلوں کو جوڑ رہے ہیں؟ دوسروں کی خدمت کر رہے ہیں؟ اپنا پیار، محبت اور امن تقسیم کر رہے ہیں؟ یا ان کو توڑ رہے ہیں؟

اللہ رب العزت نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. (طٰہٰ، ۲۰: ۴۳)

”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔“

فرعون کے پاس جاؤ وہ باغی ہوگیا ہے، میرا دشمن ہوگیا ہے، اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے، میرا مقابلہ کر رہا ہے، میرے سامنے کھڑا ہوگیا ہے اور ساتھ نصیحت فرمائی کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. (طٰہٰ، ۲۰: ۴۴)

”سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“

یعنی فرعون کے دربار میں کھڑے ہوکر بڑے پیار سے بات کرنا۔ اللہ رب العزت نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کی ایسی تیسی کر دو، تلوار لے کر جاؤ پھر غضبناک ہو جانا، اس کو اپنے شکنجے میں لے لینا، قبضے میں لے لینا، اس پر اپنا رعب طاری کر دینا، نہیں، ایسا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ اس سے پیار بھری بات کرنا، حکمت بھری بات کرنا، دانائی اور دانشمندی سے بات کرنا، اس سے کیا ہوگا؟ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ شاید کہ اسے بھولی ہوئی بات یاد آ جائے، شاید وہ بھٹکا ہوا واپس آ جائے، شاید وہ نافرمانی چھوڑ کر میرے در پر جھک جائے اور یہ کہ شاید تمہاری حکمت کے نتیجے میں وہ خوفزدہ ہو جائے اور یہ خوفزدگی؛ دھونس سے نہیں بلکہ حکمت کے ذریعے پیدا کی جائے۔ ❁❁❁❁❁

محبوبانِ خدا کے تذکار اور اصلاحِ احوال کے افکار

علامہ محمد اقبالؒ؛ سید علی بن عثمان ہجویریؒ کو مخدوم اُمم کہہ کر عقیدت کا اظہار کرتے

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

سید ہجویر، مخدوم امم، سید علی بن عثمان ہجویریؒ کا شمار نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے کبار صوفیاء میں ہوتا ہے بلکہ عالمِ اسلام میں بھی تصوف و روحانیت کی تعلیم کے فروغ اور اصلاحِ احوال کے باب میں آپ منفرد و ممتاز مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ آپؒ کی تعلیمات کا عظیم منبع کشف المحجوب کی صورت میں آج تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ سالکینِ تصوف و روحانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا باعث ہے۔ ''کشف المحجوب'' کا ایک ایک حرف بلاشبہ ہماری زندگیوں میں ہدایت کے چراغ جلاتا ہے، ہمیں جادۂ حیات میں صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا ہے اور ہمیں اللہ کی معرفت و قربت اور عبادت و طاعت کی تعلیم دیتا ہے۔

سرزمین لاہور پر حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ کا مزار آج بھی مخلوقِ خدا کو توحید و رسالت اور دینِ اسلام کا پیغام ایک زندہ و تابندہ دعوت و تبلیغ اسلام کی صورت میں دے رہا ہے۔ آج بھی ہزاروں لوگ ان کے در سے اسلام کی حقیقی معرفت اور اسلام کی آفاقی ہدایت کی دولت پا رہے ہیں۔ اقبال بھی آپ کے آستاں سے فیضیاب ہوا تو یوں عقیدت کا اظہار کرنے لگا:

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت، صبح ما از مہر او تابندہ گشت

علامہ محمد اقبالؒ اپنی عقیدت کا اظہار کبھی سیدِ ہجویر کہہ کر کرتے ہیں۔۔۔ اور کبھی مخدومِ امم کہہ کر اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔۔۔ کبھی پاسبانِ عزتِ ام الکتاب کہہ کر اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔۔۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ اس زمینِ ہند میں تخم سجدہ (سجدوں کے بیج) تو آپ نے بوئے ہیں۔۔۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ پنجاب کی سرزمین آپ کے ہی دم قدم سے روشن ہے۔۔۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری صبحِ حیات کی کل روشنی بھی آپ سے ہے۔

یقیناً آج اس سرزمین پاکستان پر سجدوں کی فصل، نماز کے قیام کا وصل اور نماز کے رکوعوں کا تسلسل آپ ہی کی دعوت و تبلیغِ دین کا نتیجہ ہے۔ حتی کہ اس سرزمین پاکستان کا حصول بھی آپ کے آستاں کی خیرات ہے۔ اس مرکزِ تجلیات سے ہی اقبال مصور پاکستان بنے۔

پروفیسر مسعود الحسن اپنی انگریزی کتاب حضرت داتا گنج بخش میں بیان کرتے ہیں کہ میں 1930ء میں لاہور آیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کے قریب رہائش رکھی۔ علامہ اقبالؒ اکثر نماز فجر سے قبل حضرت داتا گنج بخشؒ کے در پر حاضری دیا کرتے، وہیں پر میری آپ سے ملاقات رہتی تھی۔ میں نے علامہ اقبالؒ کے ارشاد کے مطابق ان کے لیے انگریزی میں کچھ کام کیا اور ان کی تقاریر لکھنے میں مدد کی جن میں ایک خطبہ الہ آباد بھی شامل تھا۔ میرے پوچھنے پر علامہ اقبالؒ نے بتایا کہ انہیں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا خیال حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی زیارت اور یہاں عبادت کے دوران آیا۔

کشف المحجوب میں مذکور محبوبانِ خدا کے تذکار

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں اللہ کے مقرب بندوں کا ذکر کرتے ہوئے طبقہ تابعین میں سے چند تابعین اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم اصلاحِ احوال کے باب میں اِن میں سے حضرت اویس قرنیؓ، حضرت امام حسن بصریؓ اور حضرت سعید بن مسیّبؓ کے اقوال وفرامین کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت اویس قرنیؓ کے فرامین

حضرت اویس قرنیؓ کے فرامین کا مطالعہ کرنے سے قبل اُن کے مقام و مرتبہ کا علم ضروری ہے تاکہ ہمارے دلوں میں ان کے فرامین کی اہمیت جاگزیں ہوسکے اور ہم اصلاحِ احوال کے باب میں اِن فرامین پر عمل پیرا ہوسکیں۔

حضرت اویس قرنیؓ وہ شخصیت ہیں کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ظاہری حیات کا زمانہ پایا ہے مگر آپ ﷺ کے جمال جہاں آراء کی دید نہ کرسکے۔ اس کی دو وجوہ بیان کی گئی ہیں:

۱۔ غلبۂ حال ۲۔ والدہ کے حقِ خدمت کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت اویس قرنی کا ذکر اپنی حیات اقدس میں صحابہ کرامؓ کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ قرن میں ایک اویس نامی مرد خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ؛ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت اویس قرنیؓ کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا: ان کا قد کچھ پست ہے، بال لمبے ہیں اور ان کے دائیں جانب ایک چھوٹا سفید رنگ کا نشان ہے اور یہ سفیدی برص کی نہیں ہے اور اسی طرح کا نشان ان کی ہتھیلی پر بھی ہے۔ جب تم اس سے ملو تو میرا سلام کہنا اور کہنا میری امت کے لیے دعا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ مکۃ المکرّمہ حج پر آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خطبہ دیا اور نجد کے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے قرن کا رہنے والا اویس کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ مجنون ہے، وہ آبادی میں رہتا ہے اور نہ کسی سے ملتا جلتا ہے۔ عام طور پر جو لوگ کھاتے ہیں، وہ نہیں کھاتا حتی کہ وہ غم وخوشی کو بھی نہیں جانتا۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس رہتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ اس دیوانے اور مجذوب سے ملنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قرن کی طرف چل پڑتے ہیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ان کے پاس اس حال میں جاپہنچے کہ وہ نماز میں مصروف تھے۔ یہ دونوں عظیم المرتبت صحابہ ان سے ملاقات کے لیے انتظار کرتے ہیں۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی نشانیاں ان کے جسم اقدس میں دیکھیں۔ جب ساری نشانیوں کو جان لیا تو دونوں نے حضرت اویس قرنیؓ کو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچایا اور امت کے لیے دعا کی وصیت پہنچائی۔

کچھ دیر یہ دونوں صحابہ ان کے پاس بیٹھے رہے۔ حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا کہ آپ نے تشریف لانے کی بڑی تکلیف اور زحمت اٹھائی ہے، اب جائیے، قیامت قریب ہے، ہمیں وہاں ایسا دیدار نصیب ہوگا کہ جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اب میں قیامت کا راستہ بنانے اور اسے صاف کرنے میں مشغول ہوتا ہوں۔

ان دونوں جلیل القدر صحابہ کی ملاقات کے بعد حضرت اویس قرنیؓ کا مقام و مرتبہ اہلِ قرن پر ظاہر ہوا اور وہ حضرت اویسؓ کی بہت زیادہ عزت افزائی اور قدرومنزلت کرنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت اویس قرنی کوفہ چلے گئے۔ بعد ازاں جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی حمایت میں جہاد کے لیے نکلے اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ انہوں نے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ میں عمدہ و پسندیدہ زندگی گزاری اور شہادت کے مقام پر فائز ہوئے۔

☆ کشف المحجوب میں مذکور حضرت اویس قرنیؓ کے کچھ فرامین ذیل میں درج کیے جارہے ہیں:

(ا) خلوت میں سلامتی ہے

حضرت اویس قرنیؒ فرماتے ہیں:

السلامۃ فی الوحدۃ۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۵)

انسان کی سلامتی وحدت کے جلووں میں گم ہونے میں ہے۔

انسان کے ظاہر و باطن میں وحدت کا غلبہ رہے تو وہ نہ صرف شیطان اور نفس کے غلبے سے محفوظ ہوجائے گا بلکہ تمام دنیوی اندیشوں اور خطروں سے بھی مامون ہوجائے گا۔ جس شخص کو خلوت گزینی اور تنہائی کی عادت ہوجائے تو وہ مجلس میں بیٹھا ہوا بھی وحدت کے جلووں میں گم رہتا ہے۔ اس لیے وحدت میں سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۵)

مزید برآں فرماتے ہیں:

لان الوحدۃ صفۃ عبد صاف۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۵)

ایک صاف دل بندے کا وصف وحدت ہے۔

وحدت کی اسی حقیقت کو باری تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں بھی بیان کیا ہے:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ۔ (الزمر، ۳۹:۳۶)

’’کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں۔‘‘

خلوت پسند بندے کے لیے اللہ کافی و شافی ہوجاتا ہے۔ جسے خلوت کی معرفت ہوجاتی ہے، اسی کے دل میں خلوت کی محبت عیاں ہوجاتی ہے۔

(۲) دل کی نگہداشت کرو

حضرت ہرم بن حبانؓ منبع صفا اور معدنِ وفا ہیں۔ آپ اکابرِ طریقت و معرفت ہیں اور صحابہ کرامؓ کے ہم مجلس رہے ہیں۔ آپ نے حضرت اویس قرنیؒ کی ملاقات کے لیے بہت کاوشیں کیں، کبھی ان کے پیچھے کوفہ پہنچے اور کبھی بصرہ کا ارادہ کیا۔ اچانک دریائے فرات کے کنارے جبے میں ملبوس وضو کرتے ہوئے حضرت اویس قرنیؓ سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ حضرت ہرم بن حبانؓ کی اس سے پہلے حضرت اویس قرنیؓ سے کوئی ملاقات نہیں۔ حضرت ہرم نے جب آگے بڑھ کر سلام پیش کیا تو حضرت اویس قرنیؓ نے جواب دیا: وعلیک السلام یا ہرم بن حبان۔ حضرت ہرم بن حبانؓ نے پوچھا: آپ نے مجھے کیسے پہچانا کہ میرے بتائے بغیر میرے نام سے مجھے مخاطب کررہے ہیں؟ حضرت اویس قرنیؒ نے جواب دیا:

عرفت روحی روحک۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۶)

’’میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا۔‘‘

حضرت ہرم بن حبانؓ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت اویس قرنیؓ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما الاعمال بالنیات ولکل امری مانویٰ.

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہ ثمر ملتا ہے، جس کی اس نے نیت کی۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

اس کے بعد حضرت اویس قرنیؒ نے ہرم بن حبانؓ کو نصیحت کی اور ارشاد فرمایا:

علیک بقلبک. (کشف المحجوب)

تم پر فرض ہے کہ اپنے دل کی نگہداشت کرو تاکہ کسی غیر کی فکر میں مبتلا نہ ہو۔

یہ حدیث اور قول بیان کرکے السید الشیخ علی بن عثمان ہجویریؒ ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ مومن و صوفی وہ ہے جس کی نیت اچھی ہو، عمل عمدہ ہو اور دل ایسا ہو کہ جس میں صرف محبوب حقیقی کی چاہت ہو اور وہ دنیا و ماسواء کی ہر چاہت سے ماوراء ہو۔

سید علی ہجویر حضور داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ دل کی نگہداشت اور نگرانی کے دو معنیٰ ہیں:

ا۔ ایک معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو ریاضت و مجاہدے کے ذریعے اطاعتِ الٰہی میں ہر لحہ مصروف رکھے۔

۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ بندہ خود کو دل کے تابع کردے۔ دل پر نگرانی کرنا، ارادت مندوں کا کام ہے جبکہ خود کو دل کے تابع کرنا، یہ عارفوں اور کاملوں کا کام ہے۔

پہلے معنی کے اعتبار سے دل میں خواہشات کی کثرت ہوتی ہے، ہوائے نفس کی زیادتی ہوتی ہے، ناموافق خطرات اور اندیشے

دل کی زمین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں پر دل کی نگرانی کی جائے تاکہ دل اللہ کی محبت کی آماجگاہ اور مرکز و محور بن جائے۔

دوسرے معنی کے اعتبار سے خود کو دل کے تابع کرنے سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ عرفاء کے دلوں کو اپنے نورِ جمال سے منور کر دیتا ہے۔ تمام اسباب و علل سے انھیں پاک کر کے بلند مرتبہ اور مقام رفیع عطا کر دیتا ہے، اپنی قربت کی خلعت عطا کرتا ہے، اپنے لطائف و تجلیات سے روشن کرتا ہے اور اپنے مشاہدہ کے قرب سے نوازتا ہے۔

۲۔ حضرت امام حسن بصریؒ کے فرامین

حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں حضرت امام حسن بصریؒ کے اقوال کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ امام عصر اور یگانہ زمانہ ہوئے ہیں۔ اہلِ طریقت کے ہاں ان کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہے اور مسلم سلوک میں آپ کے اشارات بڑے ہی لطیف ہیں۔ ذیل میں آپ کے چند ارشادات نذرِ قارئین ہیں:

(۱) صبر؛ نصیب پر قناعت اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا نام ہے

ایک مرتبہ ایک اعرابی آپؒ کی خدمت میں آیا اور آپ سے صبر سے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: صبر دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ کسی مصیبت و آفت اور بلاء و پریشانی پر صبر کرنا۔

۲۔ ان چیزوں پر صبر کرنا جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ یعنی حرام چیزوں کو چھوڑنے اور ان کو قدرت و طاقت کے باوجود ترک کرنا صبر کرنا ہے۔ گویا محرمات کا عدمِ ارتکاب بھی صبر ہے۔

اس پر اعرابی نے کہا:

یا شیخ انت زاھد مارایت ازھد منک۔

آپ زاہد ہیں اور میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو زاہد و عبادت گزار نہیں دیکھا۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۸)

اعرابی کی یہ بات سن کر حضرت امام حسن بصریؒ نے فرمایا: اے بندہ خدا! تو میرے زہد کی بات کر رہا ہے، میرا زہد تو مرغوب و پسندیدہ چیزوں میں ہے اور میرا صبر تو حالتِ اضطراری اور حالتِ بے قراری میں ہے۔ میرا صبر بھی کوئی مثالی صبر ہے، یہ تو اپنی مرضی کا صبر ہے۔ یہ خدا کا پسندیدہ صبر نہیں بلکہ یہ تو من پسند صبر ہے۔ اعرابی نے کہا: میں آپ کی بات سمجھا نہیں، اس کی وضاحت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: دنیوی بلاؤں، مصیبتوں اور آفتوں پر میرا صبر کرنا اور اللہ کی منع کردہ، حرام چیزوں سے بچنا، یہ صبر بربنائے طاعت و بندگی ہے۔ یہ صبر آتشِ دوزخ سے بچنے اور اس آگ کے خوف کی وجہ سے ہے۔ یہ حالتِ اضطراری، حالتِ بے قراری اور مجبوری کا صبر ہے۔ اسی طرح دنیا میں میرا زہد، عبادت و ریاضت اور طاعت، یہ حسنِ آخرت اور آخرت کی رغبت کی بنا پر ہے۔

فرمایا: میرا صبر تو ایسا ہونا چاہیے تھا کہ میں دنیا میں اپنے نصیب پر قناعت کرتا، ہر حال میں اپنے نصیب اور اللہ کی رضا پر راضی رہتا۔ تب میرا صبر اللہ کے لیے ہوتا۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے یا جنت پانے کے لیے صبر کرنا، صبر کا اعلیٰ مقام نہیں بلکہ اللہ کے ہر امر کو بجا لانے میں صبر کرنا تاکہ وہ رب راضی ہوجائے، اللہ کی رضا ہمارے ہر کام کا مقصود ہوجائے تو ایسا صبر فی الحقیقت صبر ہے۔ بصورت دیگر ہمارا صبر؛ صبرِ مجبوری ہے، صبرِ رضائے الٰہی نہیں ہے۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۸)

(۲) نیک لوگوں کی صحبت سے دوری کی وجہ

حضرت امام حسن بصریؒ لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں کن لوگوں کے ساتھ دوستی و رفاقت کا تعلق قائم کریں اور کن لوگوں کی دوستی سے خود کو دور رکھیں۔ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

ان الصحبۃ الاشرار تورث سوء الظن بالاخیار۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۹)

بروں کی دوستی و صحبت نیکوں کی دوستی و رفاقت کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتی ہے۔

حضرت مخدوم امم الشیخ السید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ یہ نصیحت فی زمانہ درست اور صحیح ہے اورلوگوں کے حالات کے عین مطابق ہے۔ اللہ کی بارگاہ کے تمام مقبولوں کے انکار کرنے والوں پر یہ نصیحت صادق آتی ہے۔ عوام کی نیک لوگوں سے دوری کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نقال صوفیوں اور منتر خواں عاملوں کی صحبت و سنگت میں جاتے ہیں تو وہاں ان کی خیانت کے واقعات، جھوٹ کے قصے، اور غیبت بھری مجلسیں دیکھتے اور سنتے ہیں، انھیں دنیوی کھیل وکود میں مشغول پاتے ہیں، ان کے بے ہودہ افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان میں لغویات وفضولیات کو دیکھتے ہیں، ان کو دنیوی خواہشات اور شہوات میں غرق پاتے اور حرام ومشتبہ مال کا حریص دیکھتے ہیں تو ان نقال صوفیوں کو دیکھ کر اصل صوفیوں کا بھی انکار کردیتے ہیں۔ ذہن میں یہ تصور قائم کرتے ہیں کہ کل طبقہ صوفیاء ایسا ہی ہوتا ہے اور تمام صوفیوں کا طریقِ حیات اور طریقِ تصوف وطریقت یہی ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان چند نقالوں کو دیکھ کر اور ان کے برے اعمال کا مشاہدہ کرکے اصل صوفیوں پر اس نتیجے کو منطبق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ نقال صوفیوں کا طریق اصل صوفیوں کا طریق ہرگز نہیں ہے۔ اصل صوفیاء کے تمام افعال طاعتِ الٰہیہ میں سرزد ہوتے ہیں۔۔۔ محبتِ الٰہی کی وجہ سے ان کی زبانوں پر کلمۂ حق جاری ہوتا ہے۔۔۔ ان کے قلوب محبتِ الٰہیہ کا مسکن ہوتے ہیں۔۔۔ ان کے کان کلامِ حق سنتے ہیں اور ان کی آنکھیں مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں کھوئی ہوتی ہیں۔۔۔ ان کے ہاں کبھی خیانت، جھوٹ، غیبت، کھیل کود، بے ہودہ پن، لغویات وشہوات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں بھر کے اولیاء اور صوفیاء کو نقالوں کی وجہ سے برا سمجھنا، یہ عقلمندوں اور دانشمندوں کا طریق نہیں۔ جو شخص خود برا ہے، وہ بروں کی صحبت اختیار کرتا ہے اور جو شخص نیک ہے، وہ نیکوں کی دوستی اختیار کرتا ہے۔ اگر دل میں نیکی کا مادہ ہو تو انسان نیکوں کو اپنا دوست رکھتا ہے۔ اس لیے وہی شخص مستحقِ ملامت ہے جو نالائق اور نااہلوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔

سید ہجویر فرماتے ہیں کہ صوفیاء و اولیاء کو نہ ماننے کی دوسری وجہ یہ ہے جب دنیا دار لوگ صوفیاء کو اپنی خواہشاتِ نفس کے خلاف پاتے ہیں تو ان کے مقاماتِ رفیعہ کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اپنی خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہوکر منکروں کے ہم زبان بن جاتے ہیں۔

سید ہجویرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھ لو! وہ لوگ جو اولیاء وصلحاء اور عرفاء وصوفیاء کا انکار کرتے ہیں، وہ مخلوقِ خدا میں شریر ترین لوگ ہیں اور غایت درجہ کے ذلیل اور کمینے ہیں۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ کے وجود پر قرآن اور سنت رسول ﷺ گواہ و شاہد ہیں۔ اولیاء وصلحاء اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ان کا طریقِ حیات جہاں بھر میں پسندیدہ ہے۔ ان کے مبارک وجودوں کی برکت سے لوگوں کو دونوں جہاں کی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ طبقہ اولیاء وصلحاء تمام لوگوں میں ممتاز ومنفرد ہے۔ (کشف المحجوب، ص۱۶۹)

انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ صحبت و سنگت کی وجہ سے ملتا ہے اچھوں کی صحبت انسان کو اچھا بنادیتی ہے اور بروں کی دوستی انسان کو برا بنادیتی ہے۔ انسانی نفس جب انسان پر حاکم بن جاتا ہے تو وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اسے جگہ جگہ پھراتا اور دوڑاتا ہے۔ انسان خواہشاتِ نفس کے سامنے مجبور ہوجاتا ہے اور پھر اپنے ہم جنسوں، ہم مزاجوں اور ہم طبیعتوں کو تلاش کرنا شروع کردیتا ہے۔ یوں اپنے اندر کے میلان کی بناء پر خارج میں اطمینان پیدا کرتا ہے یا طوفان بپا کرتا ہے۔ انسان کے ظاہر کے پیچھے اس کا باطن ہے۔ طریقت؛ باطن کی اصلاح کا نام ہے اور شریعت؛ ظاہر کی اصلاح کا نام ہے۔

۳۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے فرامین

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے طبقہ تابعین کے ائمہ تصوف و طریقت میں سے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے احوال بھی ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ رئیس العلماء، فقیہ الفقہا عظیم المرتبت، رفیع المنزلت اور ہر دلعزیز سیرت و خصائل کے مالک ہیں۔ آپ کو علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم لغت، شعر ونعت اور علم الحقائق میں یدطولیٰ حاصل ہے۔

وہ اپنے ظاہر میں ہوشیار اور طبیعت میں نیک سیرت تھے۔ یہی خوبی تمام مشائخ میں محمود اور مسعود ہے۔ ذیل میں آپ کے چند فرامین کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) قناعت؛ علاماتِ تصوف میں سے ہے

حضرت سعید بن میسّب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ارض بالقلیل من الدنیا مع سلامة دینک کما رضی قوم بکثیرھا مع ذھاب دینھم۔ (کشف المحجوب، ص۱۷۱)

اے مردِ مسلمان اپنی اس تھوڑی سی دنیا پر جو تجھے دین کے ساتھ حاصل ہوئی ہے اس پر اس طرح قناعت کر، جس طرح کثیر لوگ اپنا دین کھوکر مال کی زیادتی پر خوش ہیں۔

الشیخ السید علی بن عثمان ہجویری فرماتے ہیں کہ اگر تیرے فقر میں تیرے دین کی سلامتی ہے تو یہ اس دولت اور تونگری سے بہتر ہے جس میں غفلت طاری ہوجائے، دنیا پرستی آجائے اور تیرے ہاتھ سے تیرا دین جاتا رہے۔ فقیر جب سلامتی ایمان کے ساتھ اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو اپنے دل کو دنیا کی محبت اور مال کی محبت سے خالی پاتا ہے اور جو کچھ اسے میسر ہوتا ہے، اس پر ہی قناعت کرتا ہے جبکہ ایک دولت مند جب اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو وہ دل کو اللہ کی یاد کے بجائے مال کی حرص وطمع اور مال کی کثرت و زیادتی میں فکرمند پاتا ہے اور حصولِ دنیا کی خاطر ہر طرف ہاتھ پیر مارتا ہے۔

محبوبانِ خدا وہ ہیں جن کے دل میں ہر وقت یادِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، ان پر مال کی محبت کا غلبہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی نگاہ ہر وقت خدا کی رضا کی طالب رہتی ہے جبکہ غافلوں اور دنیا پرستوں کی نظر ہر وقت دنیا پر رہتی ہے۔ دل میں اگر دولت کی حرص مولا کی حرص سے زیادہ ہو تو اس دل میں غرور پایا جاتا ہے، اس دل میں آفات کے ڈیرے ہوتے ہیں، اس دل میں ہر لمحہ حسرت بڑھتی رہتی ہے اور ہر لحظہ ندامت کے سائے فروغ پاتے رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس دل پر ذلت مسلط ہوجاتی ہے اور ہر آن اس میں معصیت ہی معصیت نظر آتی ہے۔

غافلوں پر جب بلاء و مصیبت نازل ہوتی ہے تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے جسم سلامت رہیں اور جب محبوبانِ خدا پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین سلامت رہے۔ واقعہ کربلا میں بھی یہی روح کارفرما تھی۔ یہی وجہ ہے جب عرفاء کے جسم پر بلاء کا نزول ہوتا ہے اور ان کے دل میں بقا ہوتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں کہ بلاء کا جسم پر نزول ہوا ہے، دل پر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اگر دل میں غفلت اور عیش وعشرت ہے تو یہ موجبِ ذلت ہے۔ پس ایک بندے کے لیے مقامِ رضا یہ ہے کہ وہ کم دنیا کو زیادہ جانے۔ (کشف المحجوب، ص۱۷۱)

(۲) ذکرِ الٰہی کا مقام

حضرت سعید بن میسّب ﷺ سے کسی نے ایک مرتبہ قیامِ مکۃ المکرّمہ کے دوران سوال کیا کہ مجھے ایسا حلال بتائیے جس میں حرام کا شائبہ نہ ہو اور مجھے ایسا حرام بتائیے جس میں حلال کا شائبہ تک نہ ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ذکر اللہ حلال لیس فیہ حرام و ذکر غیرہ حرام لیس فیہ حلال. (کشف المحجوب، ص۱۷۱)

ذکرِ الٰہی ایسا حلال ہے جس میں کسی حرام کا شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے کہ جس میں ایک ذرہ بھی حلال نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ذکرِ الٰہی میں انسان کی نجات ہے اور ذکرِ غیر میں انسان کی ہلاکت ہے۔

محترم قارئین! کشف المحجوب میں مذکور ہمیں ان عرفاء، صلحاء، اولیاء، علماء ربانیین کی تلاش ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید ہمیں ہر روز **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** کی صورت میں اِن ہی ہستیوں کی تلاش کی دعا کی تلقین کرتا ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے نقوشِ پا کا مل جانا ہمارے لیے سعادت ہی سعادت ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن فرمائے اور اسلام کا صحیح فہم عطا کرے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

❁❁❁❁❁

تصوف اور فقہ کا باہمی تعلق

فقہ کا تعلق احکامِ ظاہر اور تصوف کا تعلق احکامِ باطن سے ہے

راہِ سلوک و طریقت کی فکری اساس قرآن و سنت کی تعلیمات پر استوار ہے

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اہلِ علم جانتے ہیں کہ ایک مضمون ہوتا ہے اور ایک اس کا عنوان جو نفسِ مضمون کی نشاندہی کرتا ہے۔ اصل مقصود تو مضمون ہی ہوتا ہے۔ عنوان کا قدیم یا جدید ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ مضمون قدیم ہے یا جدید۔ ہوسکتا ہے مضمون صدیوں پرانا ہومگر عنوان و نام بعد میں تجویز ہوا ہو۔ نئے عنوان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مضمون بھی نیا ہے۔

مثلاً: علمِ تفسیر کی موجودہ تمام کی تمام اصطلاحات جدید ہیں۔ عہدِ رسالت ﷺ میں ان اصطلاحات کے وضع کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ بعد میں جب یہ ایک باقاعدہ فن بن گیا تو اس کی اصطلاحات اور عنوان کی ضرورت ہوئی۔ اب اگر نئی اصطلاحات کی بنیاد پر قرآن مجید اور اس کی تفسیر کے علم کو ہی رد کردیا جائے تو یہ قرآن کی خدمت اور دانائی نہ ہوگی۔ یہی حال دوسرے علوم حدیث و فقہ وغیرہ کا ہے۔ ان کی موجودہ اصطلاحات باقاعدہ ایک فن کی شکل میں عہدِ نبوی ﷺ کے بہت بعد میں وجود میں آئیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اصطلاحات مقصود بالذات نہیں ہوتیں بلکہ مقصود اصلِ مضمون ہوتا ہے۔ کیا ہم اصطلاحات کے جدید ہونے پر قرآن و سنت اور فقہ کو چھوڑ دیں گے؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح تصوف کے ساتھ ہوا۔ تصوف بنیادی طور پر تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن اور تحلیۂ اخلاق کا نام ہے جو شریعت کا مطلوب اور رسالت کے اساسی مقاصد میں داخل ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں بھی ہے اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات میں بھی۔ نفسِ مضمون پہلے سے موجود تھا البتہ اس کی اصطلاحات بعد میں وضع ہوئیں۔ اس بنیاد پر تصوف کو غیر اسلامی یا غیر شرعی چیز تصور کرنا جہالت یا تعصب پر مبنی ہے۔

تصوف اور فقہ کا منبع ایک ہے

جس طرح فقہ و اجتہاد اور قیاس کا اصل سرچشمہ و منبع قرآن و سنت ہے۔ قرآن و سنت ہی سے فقہی مسائل و احکام کا استنباط و استخراج کیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تصوف یا صوفیاء کی زبان میں راہِ سلوک و طریقت کی اساس بھی قرآن و سنت رسول ﷺ پر ہی رکھی گئی ہے۔ لہٰذا فقہ اور اجتہاد و قیاس کے ذریعے قرآن و سنت سے مستنبط احکام کو تو عین شریعت سمجھنا اور صوفیاء و تصوف کی راہ کو خلافِ شریعت سمجھنا نقلاً و عقلاً صحیح نہیں ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے شاہ اسماعیل کے حوالے سے لکھا ہے:

فقہاء کے پیدا کیے ہوئے قیاسی نتائج کو تو شرعی علوم میں شمار کرنا لیکن ائمہ صوفیاء نے شرعی نصوص ہی سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے ان پر بدعت وغیرہ کے الفاظ کا اطلاق آخر کیسے درست ہوسکتا ہے؟ مزید لکھتے ہیں:

فجميعها علوم شرعية وائمتها مويدون من الغيب ومقلدوهم متبعون للحق.

فقہ ہو یا تصوف یا کلام یہ سارے علوم؛ شرعی علوم ہی ہیں اور ان دینی علوم کے سارے ائمہ کی تائید غیب سے کی گئی ہے اور ان کے مقلدین حق ہی کے پیرو ہیں۔

پھر علماء اور صوفیاء کے اختلافات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھا ہے:

وانکار اھل فن علی اھل فن اخر ینشا عن الغفلة بمقاصدھم ومبادیھم وطریق قیاسھم فینسبون تارة مسائلھم التی فرعوھا الی البدعة. (مولانا مناظر احسن گیلانی، مقالہ تصوف اور اس کے دو طریقے، مشمولہ در مقالات احسانی، ص۲۹)

مذکورہ بالا دینی علوم جن میں تصوف بھی شریک ہے، ان میں سے کسی علم کے فن والے دوسرے فن والوں کا جو انکار کرتے ہیں تو یہ ساری باتیں صرف غفلت سے پیدا ہوئی ہیں یعنی ہر فن والے کی دوسرے فن والوں کے مبادی اور مقاصد سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔

جس طرح فقہ کے سارے مسائل کا صراحتاً ذکر شرعی نصوص میں نہیں پایا جاتا لیکن تصریحی مسائل کو پیش نظر رکھ کر ائمہ فقہ و اجتہاد نے مسائل کا حل دیا ہے، ائمہ صوفیاء نے بھی یہی کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر فن کی جزئیات (مثلاً فقہی مسائل) کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جن کے متعلق صاحبِ شریعت سے صراحتاً حکم منقول نہیں ہے بلکہ اجتہاد سے کام لے کر منصوصاتِ شرعیہ سے بطور نتیجہ ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ پھر جب فقہی جزئیات کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح صوفیہ کے پیدا کیے ہوئے اجتہادی نتائج پر بے دھڑک ''بدعت'' کا ہتھیار چلا دینا، خود سوچنا چاہیے کہ کس حد تک درست ہوسکتا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے مشہور سلاسلِ طریقت میں اختلاف کی نوعیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

جیسے فقہ میں باوجود اختلافات کے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مکاتبِ خیال اہل السنّت یا اہلِ حق ہی کے مکاتبِ خیال سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح صوفیوں کے مختلف طرق و سلاسل قادری، نقشبندی، سہروردی اور چشتی وغیرہ کے متعلق یہی باور کیا جاتا ہے کہ ان میں ہر طریقہ صحیح اور درست ہے۔ صوفیوں کے ان مختلف طریقوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، ان کا تعلق صاحبِ طریقہ کے فطری رجحانات یا ان لوگوں کے خصوصی حالات سے ہے جن میں پہلے پہلے یہ طریقہ مروج ہوا۔ (ایضاً، ص: ۳۰، ۳۱)

فقہ کا تعلق احکام کے ظاہر اور تصوف کا تعلق احکام کے باطن سے ہے

فقہ اور تصوف کے درمیان دوسرا تعلق یہ ہے کہ فقہ احکامِ شریعت کے ظاہر یا احکام کی ظاہری شکل وصورت سے بحث کرتا ہے جبکہ تصوف ان احکام کے باطن اور روح سے۔ فقہاء اسلام نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری عبادات کے ظاہری احکام اور آداب و شرائط بالتفصیل بیان کیے ہیں مگر جہاں تک ان عبادات کی روح یعنی اخلاص نیت، خشوع خضوع، خالصتاً لوجہ اللہ، خشیت و رضائے الٰہی اور حضورِ قلب کا تعلق ہے، فقہ کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ فقہاء اس میں معذور بھی تھے اور شرعاً اس کے مکلّف بھی نہیں تھے۔ ان کی نگاہ جہاں تک جاسکتی تھی وہاں تک چلے آئے، آگے دل کا معاملہ تھا اور دل کی دنیا میں محض فقیہ کا گزر نہیں ہوتا۔ صوفیہ چونکہ اس کوچہ کے محرمِ اسرار تھے، اس لیے وہی اس نادیدہ وادی اور افعال القلب کے احکام و آداب مقرر کرنے کا حق رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ارکانِ اسلام کے ظاہر اور باطن کے امور پر غور وفکر سے یہ مسئلہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ ذیل میں ارکانِ اسلام کی امثال کے ذریعے زیرِ بحث موضوع واضح کیا جارہا ہے:

(۱) نماز کا ظاہر و باطن

فقہاء و مجتہدین امت رحمہم اللہ نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ نماز کے احکام و شرائط بیان کیے ہیں لیکن صوفیہ نے قرآن و سنت کی روشنی اور اپنے نورِ بصیرت سے نماز کی اصل روح کو سمجھا اور اس کے اہتمام کے لیے ایسے آداب مقرر کیے جن کا تعلق نماز کے باطنی پہلو سے تھا۔

نماز سے قبل فقہاء نے جن شرائط کو ادائیگی نماز کے لیے ضروری و لازمی قرار دیا ہے، صوفیہ ان کے علاوہ بھی چند شرائط کو قبولیتِ نماز کے لیے ضروری ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اہلِ باطن اور صوفیاء نے علماء شریعت کے بیان کردہ شرائط میں اضافہ کرکے دین میں کوئی تبدیلی کی ہے، نہیں، بلکہ انھوں نے فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ باطنی اور روحانی

آداب بیان کرکے نماز کی ظاہری اور باطنی تکمیل کا سامان کیا ہے تاکہ نماز روح و جان سے خالی ہوکر محض ایک جسمانی ڈھانچہ نہ رہ جائے۔ مثلاً:

☆ شرائط نماز میں ایک لازمی شرط طہارت ہے۔ فقہاء کے نزدیک ظاہری نجاست سے پاک ہونا شرط ہے جبکہ صوفیہ کے نزدیک باطن میں شہوتوں سے پاک ہونا بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح کپڑے کا رجس و ناپاکی سے پاک ہونا فقہاء کے نزدیک نماز کے لیے شرط ہے جبکہ صوفیہ کے نزدیک باطن میں کپڑے کا حلال کمائی سے ہونا بھی شرطِ نماز ہے اور اس شرط کی بنیاد غالباً وہ تاکیدی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اشتری ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالیٰ له صلوٰة مادام عليه. (مشکوٰۃ المصابیح، باب الکسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۳)

جس آدمی نے دس دراہم کا کوئی کپڑا خریدا جن میں ایک درہم حرام کا بھی شامل تھا تو جب تک یہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا۔

☆ اسی طرح ایک حدیث نبوی ﷺ "**لا صلوٰة الا بحضور القلب**" میں فقہاء نے نفی فضیلت مراد لی ہے یعنی فضیلتِ نماز کا حصول حضورِ قلب کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگرچہ بے حضور جائز ہے اور روا ہوجائے گی مگر مشائخ طریقت حقیقتِ فضیلت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں جس نماز میں حضور قلب نہ ہو، وہ روا ہی نہیں۔

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں:

اعضاء و جوارحِ جسمانی کا قبلہ کعبہ شریف ہے۔ اگر اعضاء و جوارح کعبہ کی طرح متوجہ نہ ہوں گے (جسے فقہاء کی اصطلاح میں استقبالِ قبلہ کہا جاتا ہے) تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح قبلۂ دل ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر کیسی نماز؟ (ملفوظات خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی مرتبہ حمید شاعر قلندر (اردو ترجمہ)، ص ۲۶۷)

☆ نماز میں داخل ہونے کے لیے صوفیہ جن آداب کا ذکر کرتے ہیں ان میں نیت کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا بیان ہے کہ ہر چیز کی صفوت ہوتی ہے اور نماز کی صفوت (خالص اور عمدہ چیز) تکبیر اولیٰ ہے۔ شیخ ابوسعید الخراز کہتے ہیں کہ بندہ جب اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے لیے اٹھائے تو اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سواء اور کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے۔

☆ قرأت کے متعلق صوفیہ کا ادب یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے حاضر ہو گویا اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہے۔ رکوع کے بارے میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ انسان جب رکوع کرے تو اپنے آپ کو عرش کے نزدیک محسوس کرے اور تسبیح پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز اس کے دل میں نہ ہو۔ جب رکوع سے سر اٹھائے اور تحمید پڑھے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ اسے سن رہا ہے۔ سجدے کا ادب یہ ہے کہ وہ دل میں یہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب کوئی نہیں ہے اور نہ اس سے بڑھ کر عزت والا اور بزرگ کوئی ہے۔ (علی ہجویریؒ، کشف المحجوب، ص: ۲۶۳)

(۲) روزے کا ظاہر و باطن

روزے کی اصل "امساک" ہے اور اس میں تمام طریقت مضمر ہے۔ اس کا ادنیٰ درجہ بھوک کا روزہ ہے جو ماہِ رمضان کا چاند دیکھنے سے ایک ماہ تک ہر عاقل، بالغ، تندرست، مقیم مسلمان پر فرض ہے۔ شیخ علی ہجویریؒ کے بقول امساک کے لیے شرائط ہیں یعنی جس طرح پیٹ کو خوردونوش سے روکا جاتا ہے، اسی طرح آنکھ کو بدنگاہی سے، کان کو لہو و غیبت سننے سے، زبان کو لغو باتیں کرنے سے اور جسم کو دنیا کی متابعت اور شرع کی مخالفت سے باز رکھنا چاہیے۔ (ایضاً، ص ۲۸۰)

(۳) زکوٰۃ کا ظاہر و باطن

زکوٰۃ کا تعلق ظاہر ہے کہ مال سے ہے اور صوفیہ عموماً مال سے محروم ہوتے ہیں اور اگر ان کے پاس مال ہوتا بھی ہے تو اس کی محبت جو شرعاً مذموم چیز ہے، اس سے ان کے پاکیزہ قلوب بہرکیف خالی ہوتے ہیں۔ مال کو جمع کرنا اور دنیا داروں کی طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا، ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ فقہاء کے بیان کردہ نصابِ زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ فقیر پر

زکوٰۃ واجب ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ مال جمع کر کے اتنی دیر نہیں رکھتا کہ اس پر پورا سال گزر جائے۔

معروف صوفی شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ایک عالم نے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہیے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب دل میں بخل ہو اور مال حاصل ہوجائے تو تمہارے مذہب کے مطابق دو سو درہم میں سے پانچ درہم اور بیس دینار میں سے نصف دینار دینا چاہیے جبکہ ہمارے مذہب میں کوئی چیز ملکیت میں رکھنی ہی نہیں چاہیے۔ عالم نے پوچھا: تمہارا امام کون ہے؟ شیخ شبلی نے جواب دیا: حضرت ابوبکر صدیقؓ، جنھوں نے اپنا تمام مال راہِ خدا میں دے دیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا تو جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ (کشف المحجوب، ص ۴۷۲)

یہی بات حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے یوں بیان فرمائی کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ زکوٰۃِ شریعت ۲۔ زکوٰۃِ طریقت ۳۔ زکوٰۃِ حقیقت

شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر دو سو درہم ہوں تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ راہِ خدا میں خرچ کرے۔ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو میں سے پانچ اپنے پاس رکھے اور باقی دراہم راہِ خدا میں خرچ کردے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ پانچ درہم بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ تمام کے تمام راہِ خدا میں تقسیم کردے۔ اس واسطے کہ درویشی خود فروشی ہے۔ (راحۃ القلوب، ملفوظات بابا فریدالدین گنج شکر مرتبہ محبوب الٰہیؒ، ص۶)

(۴) حج کا ظاہر و باطن

اہلِ تصوف کے یہاں حج محض ظاہری عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے اندر اہلِ نظر کے لیے بے شمار روحانی اور باطنی فوائد پنہاں ہیں۔ اسرارِ شریعت کے ماہرین نے بھی اگرچہ حج کے معنوی فضائل کا ذکر کیا ہے لیکن صوفیہ نے جس خوبی کے ساتھ ارکانِ حج کے باطنی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علماء تصوف نے حج سے متعلق صوفیہ کے آداب پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

میقات پہنچ کر وہ اپنے جسم کو پانی سے اور دل کو توبہ سے غسل دیتے ہیں۔۔۔ احرام کے لیے کپڑے اتارتے وقت دل سے کینہ اور حسد نکال پھینکتے ہیں۔۔۔ تلبیہ کہنے کے بعد صوفیہ، نفس شیطان اور خواہش کی دعوت کا جواب نہیں دیتے۔۔۔ جب ظاہری آنکھوں سے خانہ کعبہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو دل کی آنکھوں سے اس ذات کی طرف دیکھتے ہیں، جس نے انہیں کعبہ کی دعوت دی ہے۔۔۔صوفیہ جب اپنے جسموں کے ساتھ کعبے کا طواف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وتری الملائکۃ حافین من حول العرش** کو یاد کرکے گویا فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔۔۔ جب مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو جان لیتے ہیں کہ یہ اس بندے کا مقام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایفائے عہد کیا ہے۔۔۔صوفیہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کررہے ہیں۔۔۔صوفیہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت نفس، خواہش اور شیطان سے فرار اختیار کرتے ہیں۔۔۔منیٰ ان کے لیے لقاء اور عرفات میں وقوف حشر و نشر اور قبروں سے اٹھنے کی یاد دہانی ہے۔۔۔ مزدلفہ کو چھوڑتے وقت وہ دنیا و آخرت کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔۔۔ جب وہ رمی کے لیے سنگریزے توڑتے ہیں تو پتھروں کے ساتھ اپنے ارادوں اور شہوتوں کو بھی توڑتے ہیں۔۔۔ جب رمی جمار کرتے ہیں تو اپنے اعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسنِ ادب کے ساتھ رمی کرتے ہیں۔۔۔ اہلِ تصوف سر مونڈھتے وقت دل سے حُبِ ستائش کو نکال پھینک دیتے ہیں۔۔۔ جب جانور ذبح کرتے ہیں تو ان کا ادب یہ ہوتا ہے کہ وہ قربانی کرنے سے پہلے اپنے نفس کو ذبح کرتے ہیں۔۔۔ جب طوافِ زیارت کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں اور غلافِ کعبہ کو پکڑتے ہیں تو اس کے بعد وہ غیراللہ سے کوئی تعلق پیدا نہیں کرتے۔ (ابونصر سراج، کتاب اللمع فی التصوف، ص ۲۲۸، ۲۲۹)

شریعت و طریقت کا باہمی تعلق

شریعت و طریقت کے باہمی تعلق کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ شریعت کے دو درجے ہیں:

۱۔ ایک درجہ فرائض و واجبات بجالانے اور منہیات ومحرمات سے پرہیز کا ہے۔ اس سے آدمی شریعت کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ سنن زوائد، مستحبات، نوافل وغیرہ کو بجا لانا اور شبہات ومکروہات سے پرہیز کا ہے جس کے بجا لانے سے قربِ

خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ طریقت اسی دوسرے درجے کا نام ہے۔

شریعت میں کوئی آدمی اس وقت کامل ہوگا جب دونوں درجوں پر عامل ہوگا۔ اگر صرف درجہ اول پر عامل رہا تو اگرچہ شریعت کی حدود میں داخل رہے گا مگر شریعتِ کاملہ، ایمانِ کامل اور ایمان کی حلاوت، لذت اور مٹھاس سے محروم رہے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان)

شریعت اور طریقت دونوں میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ شریعت شارع ﷺ کے افعال سے عبارت ہے اور آپ ﷺ کے افعال بحر توحید کے وہ دُرِ یکتا ہیں جو تقویٰ اور احتیاط کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پس اس اعتبار سے شریعت عام ہے اور طریقت خاص۔ قاعدہ ہے کہ عام کا وجود خاص کے بغیر ممکن ہے لیکن خاص کا وجود عام کے بغیر محال ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک شخص شریعت پر عامل ہو مگر ابھی اس نے طریقت کی راہ میں قدم نہ رکھا ہو، اس کے برعکس یہ محال ہے کہ ایک شخص راہِ طریقت کا سالک ہو اور شریعت پر عامل نہ ہو۔

شریعت اور طریقت کے ساتھ کتبِ سلوک میں معرفت اور حقیقت کی اصطلاحیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ ان سب کے باہمی تعلق کو ایک مثال کے ذریعے یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ شریعت ایک درخت، طریقت شاخیں، معرفت پتے اور حقیقت گویا پھل ہے۔ ان چاروں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت و طریقت کو الگ الگ یا ایک دوسرے کا معارض سمجھنا گمراہی اور جہالت ہے۔ اچھا درخت وہی سمجھا جاتا ہے جو پھل دے۔ اسی طرح شریعت کا وہ عمل بہتر ہے جس پر حقیقت کا پھل لگے۔ درخت پر اگر ٹہنیاں اور پتے نہ ہوں تو بھی وہ درخت یا درخت کا تنا کہلائے گا مگر اس سے کسی کو فائدہ نہ ہوگا۔ پتے نہیں لگ سکتے جب تک کہ شاخیں نہ ہوں اور شاخ کا تو وجود ہی درخت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح پتے اور پھل بھی بالواسطہ درخت سے متعلق ہیں۔ گویا اول تا آخر شریعت لازم ہے۔ جو لوگ شریعت کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں وہ کفر کرتے ہیں، شریعت کے بغیر کسی شے کا وجود نہیں۔

بعض علماء شریعت کو دودھ اور طریقت کو مکھن سے بھی تشبیہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے دودھ ہوگا تو مکھن نکل سکے گا۔ دودھ کے بغیر ''جعلی مکھن'' تو نکل سکتا ہے مگر اصلی مکھن دودھ کے بغیر نہیں نکلا کرتا۔

تصوف اور قرآن وسنت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادقین، قانتین، مخلصین، محسنین، عابدین، خاشعین، متوکلین، صابرین، اولیاء، ابرار اور اس طرح کے دیگر الفاظ کے ذریعے اپنے نیک، مقبول اور صالح بندوں کا ذکر کیا ہے۔ صدق، اخلاص، احسان، عبادت، خشوع و خضوع، فقر، توکل، صبر، شکر چونکہ صوفیہ کی امتیازی صفات ہیں، اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ صوفیہ معنوی طور پر ان میں شامل اور داخل ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں توبہ، انابت، توکل، قرب، خوف، رجا، مشاہدہ، یقین کی تعریفات آئی ہیں، یہی چیزیں تصوف میں احوال یا مقامات کہلاتی ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن میں دنیوی زندگی کو لہو ولعب اور دھوکے کی پونجی کہا گیا ہے اور یہی چیز تصوف کی اساس ہے۔ نیز قرآن حکیم میں اخلاقِ حسنہ پر زور دیا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ تصوف اخلاقِ حسنہ کا دوسرا نام ہے۔

التصوف هو الاخلاق الرضية، التصوف هو الحرية والفتوة وترک التکلف والسخاء وبذل الدنیا. (نافع السالکین ملفوظات خواجہ شاہ سلیمان تونسوی مرتبہ امام الدین (اردو ترجمہ)، ص ۳۴۶)

تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔ تصوف آزادی و جوانمردی اختیار کرنے کا نام ہے، تکلفات کے چھوڑنے، سخاوت اور دنیا کے خرچ کرنے کا نام ہے۔

احادیث رسول ﷺ میں بھی صدیقین، صالحین اور دوسرے ناموں سے مردانِ خدا کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں صدق اخلاص، صبر، شکر، فقر، زہد، قناعت، توکل، رضا بالقضا جیسے قلبی و روحانی اعمال کی تاکید سے کتبِ حدیث بھری پڑی ہیں۔ صوفیاء ان ہی افعال القلب کی درستگی پر زور دیتے ہیں۔ صوفیاء کی ساری تعلیمات اور ریاضات و مجاہدات کا بڑا مقصود بھی تزکیہ نفس (نفس کو رذائلِ اخلاق، کبر، حسد، کینہ، حبِ جاہ، حبِ مال، خواہشات نفسانی وغیرہ سے پاک کرنا) اور دل کی اصلاح ہوتا ہے۔ دل کی حیثیت انسانی جسم میں بادشاہ کی ہوتی ہے اور باقی سارے اعضاء و جوارح کی حیثیت رعایا کی

سی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب.

لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا بھی ہے کہ اگر وہ صحیح ہوجائے تو سارا جسم صحیح ہوجاتا ہے اور اگر وہ خراب ہوجائے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے، سن لو وہ گوشت کا ٹکڑا انسان کا دل ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص۲۴۱)

تصوف کی متعدد کتابوں میں صحیحین کی حدیث جبرائیل کو سلوک کی اساس بنایا گیا ہے۔ حدیث جبرائیل میں احسان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ:

ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک. (صحیح بخاری، کتاب الایمان، ج۱، ص۱۲)

تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ یقین رکھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اسی احسان کی منزل کو پانے کی مخلصانہ سعی کا نام صوفیاء کی اصطلاح میں تصوف وطریقت ہے۔

صوفیاء اور اتباعِ قرآن وسنت

تصوف کی مستند کتابوں؛ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المجوب، کتاب اللمع، عوارف المعارف، احیاء علوم الدین، حلیۃ الاولیاء، تذکرۃ الاولیاء، سرالاولیاء، فوائدالفواد اور خیرالمجالس وغیرہ کے صفحے کے صفحے الٹ جائیے، صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً کتاب وسنت کی تلقین ملے گی۔ ذیل میں چند اولیاء و صوفیاء کے اقوال اسی ضمن میں درج کیے جارہے ہیں:

۱۔ مشہور صوفی حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اس منزل کی رسم و راہ کا اعلان اس طرح کرتے ہیں:

’’یہ راہ تو صرف وہی پاسکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن مجید ہو اور بائیں ہاتھ میں سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہ کے گڑھوں میں گرے، نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔‘‘

(خواجہ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء)

۲۔ مشائخ نے جگہ جگہ اپنے متعلقین اور مریدین کو ہدایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا ہوتو اس کی زندگی کو شریعت وسنت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ حضرت کلیم اللہ دہلوی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اے برادر! اگرتم آج فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو ان کے اتباعِ شریعت پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے۔ اسی کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہوجاتی ہے۔‘‘ (مکتوبات کلیمی، ص۷۲، مکتوب۹۵)

۳۔ شیخ حسین نوریؒ فرماتے ہیں کہ:

’’اگر ایک شخص کو دیکھو کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علمِ شریعت کی حد سے نکال دیتا ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ اور اگر ایک شخص کو دیکھو کہ وہ ایک ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور ظاہری احکام کی پابندی اس کی شہادت نہیں دیتی تو اس کے دین پر تہمت لگاؤ۔‘‘ (علامہ ابن جوزی، تلبیس ابلیس، ص۱۷۸۔۱۷۹)

۴۔ امام ابوالقاسم القشیری کا فرمان ہے کہ:

’’جان رکھو اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامت اطاعتِ الٰہی پر ہمیشگی اور معاصی ومنکراتِ شریعت سے محفوظ رہنا ہے۔‘‘

(رسالہ قشیریہ، ص۶۲۳)

۵۔ خود صوفیاء کے نزدیک حسی کرامتوں کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ عام لوگوں نے سمجھ لی ہے اور کرامت ہی کو معیارِ ولایت ٹھہرالیا گیا ہے۔ بقول معروف صوفی حضرت بایزید بسطامی:

ولایت کا معیار تو سراسر اتباعِ شریعت، اوامر و نواہی کی پابندی، حدودِ الٰہی کی محافظت اور اتباعِ سنت ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی ایک سنت کا بھی تارک ہے تو وہ ولایت کے درجہ پر فائز نہیں ہوسکتا۔ (ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج۲، ص۲۱۳)

شاید ہی دنیا میں کسی پیغمبر یا مذہبی رہنما کے احوالِ زندگی کی اتباع اس محبت اور عقیدت کے ساتھ کی گئی ہو جیسا کہ صوفیاء نے رسول اکرم ﷺ کی سنت کا تتبع کیا ہے۔ انھوں نے حیاتِ قدسی کی ایک ایک ادا اور اس کی ایک ایک سنت کو اخلاق وانسانیت کی معراج سمجھا ہے اور اس سے نزدیک ہونے کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت اور ماحصل قرار دیا ہے۔ ❁❁❁❁❁

اسلام میں حصولِ علم مقصدِ حیات ہے

مجالس العبادۃ پر مجالس العلم کو فضیلت دی گئی

تعلیم کا بجٹ بتدریج کم ہورہا ہے: ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی خصوصی گفتگو

رپورٹ: نوراللہ صدیقی

اسلام اس کائنات کا وہ واحد الہامی دین ہے جس نے حصولِ علم کو مقصدِ حیات قرار دیا ہے اور مرد وزن پر حصولِ علم کو فرض قرار دیا ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس کا پہلا وحی کیا گیا کلمہ ''اقراء'' ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام انسان برابر ہیں مگر عالم کو جاہل پر فضیلت دی گئی ہے یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔ اللہ کی کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس میں اضافہ کے لئے قرآن مجید میں دعا عطا کی گئی ہو، ماسوائے علم کی نعمت کے۔ علم ایک ایسی نعمت ہے جس میں اضافہ کے لئے اللہ رب العزت نے دعائیہ کلمات عطا فرمائے ہیں: ''ربی زدنی علما''۔ پس ثابت ہوا کہ کرہ ارض پر علم سب سے بڑی نعمت ہے اور اس نعمت میں اضافے کے لئے بار بار دعا کرنا اللہ کو بڑا محبوب ہے اور اللہ نے علم کی نعمت میں اضافہ کے لئے انسانیت کو باقاعدہ دعائیہ کلمات عطا فرمائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ صحنِ مسجد میں دو حلقات منعقد تھے: ایک حلقہ قرآن کی تلاوت کررہا تھا اور دوسرا تعلیم وتعلم میں مشغول تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرما کر آپ ﷺ تعلیم وتعلم والے حلقہ میں تشریف فرما ہو گئے۔ یعنی آپ ﷺ نے حلقۂ ذکر پر حلقۂ علم کو فوقیت دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علم کی مجالس''، یعنی جہاں علم کی باتیں ہورہی ہوں ان مجالس العلم کو جنت کے باغات قرار دیا گیا ہے۔ مجالس العلم درحقیقت مجالس العبادۃ ہیں، دیگر عبادات میں انسان اپنی ذات کے لئے اللہ سے بخشش اور برکت مانگتا ہے جبکہ علم کی نعمت سے انسانیت راہنمائی اور بھلائی پاتی ہے۔ ایک معلم لاتعداد انسانوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کے سفر پر گامزن کرتا ہے۔ اس لئے علم کو افضیلت حاصل ہے۔ علم کے بغیر عبادت کی روح کی شناخت ناممکن ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تدبر اور غور وفکر کے بغیر تلاوت میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور نہ ہی دین میں سمجھ بوجھ کے بغیر کوئی عبادت ہے اور فقہ کی ایک مجلس 60 سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اولیائے کرام باطنی علوم کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم پر بھی دسترس اور ملکہ رکھتے تھے اور وہ اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین ہوتے تھے۔ تاریخ اسلام میں کوئی ایک بھی ایسا ولی نہیں ہے جو باطنی علوم کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم پر ملکہ نہ رکھتا ہو۔ ہر ولی اللہ وقت اور اپنے خطے کا مستند عالم بھی ہوتا تھا۔ عبادت گزاری وجہ نیابتِ الٰہی نہیں ہے بلکہ علم کا نور ہی ایسی فضیلت کا حامل ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کا نائب بناتا ہے۔ نفلی عبادت، تسبیح اور ذکر سے علم افضل ہے۔ علم کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ

اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا تعارف بھی ''الکتاب'' کے طور پر کروایا ہے۔

دیگر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کی شرح خواندگی اور تعلیمی بجٹ کا اجمالی جائزہ

بنگلہ دیش میں شرح خواندگی75 فیصد، بھارت میں 65 فیصد، سری لنکا میں91 فیصد، نیپال میں 63 فیصد، مالدیپ میں 99 فیصد، پاکستان میں 62.8 فیصد ہے۔

کسی بھی ملک کی تعلیمی ترجیح کا اندازہ اس کے تعلیم پر خرچ کئے گئے بجٹ سے ہوتا ہے۔مختلف ممالک تعلیم پر اپنے جی ڈی پی کا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خطہ کے ممالک میں انڈیا تعلیم پر جی ڈی پی کا 3.8 فیصد، بھوٹان 6 فیصد، بنگلہ دیش 3.6 فیصد، نیپال 4.7 فیصد جبکہ اقتصادی سروے 22-2021ء کے مطابق پاکستان میں سب سے کم تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے۔

رواں سال تعلیم کے شعبے میں جی ڈی پی کا 1.77 فیصد مختص کیا گیا جو نہ صرف خطہ میں سب سے کم بجٹ ہے بلکہ پاکستان کے اندر بھی بتدریج تعلیمی بجٹ میں کمی ریکارڈ کی گئی ہے۔ اقتصادی سروے 22-2021ء کے مطابق 16-2015ء میں تعلیم پر جی ڈی پی کا 2.02 خرچ کیا گیا۔ 17-2016ء میں 1.97 فیصدخرچ کیا گیا۔ 18-2017ء میں جی ڈی پی کا 2.12 فیصدخرچ کیا گیا۔ 19-2018ء میں 1.98 فیصدخرچ کیا گیا۔ 20-2019ء میں جی ڈی پی کا 1.90 فیصدخرچ کیا گیا اور 21-2020ء میں تعلیم پر سب سے کم رقوم رکھی گئیں جو جی ڈی پی کا 1.77 فیصد ہے۔

مرد وخواتین میں شرح خواندگی کا تناسب

اسلام میں مرد و خواتین دونوں پر حصولِ علم لازم ہے۔ پاکستان میں خواتین کوتعلیم دینے کے حوالے سے ریاستی سطح پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اعداد وشمار پر نظر دوڑائیں تو ہمیں 21 ویں صدی میں بھی اس غفلت کا ازالہ دکھائی نہیں دیتا۔ اقتصادی سروے 22-2021ء کے مطابق پنجاب کی آبادی 11 کروڑ ہے جبکہ شرح خواندگی 66 فیصد ہے اور 36 فیصد عوام ناخواندہ ہیں۔سندھ کی آبادی 5 کروڑ کے لگ بھگ ہے اورشرح خواندگی 62 فیصدجبکہ 38 فیصدعوام ناخواندہ ہیں۔کے پی کے کی آبادی پونے چار کروڑ ہے۔ شرح خواندگی 55.1 فیصدجبکہ 45 فیصد آبادی ناخواندہ ہے۔ بلوچستان کی آبادی لگ بھگ ڈیڑھ کروڑ ہے۔ شرح خواندگی 54.4 فیصدتقریباً45 فیصدآبادی ناخواندہ ہے۔

اقتصادی سروے 22-2021ء کے مطابق خواتین میں شرح خواندگی 51.9 فیصد اور مردوں میں شرح خواندگی 73.4 فیصدہے۔ اقتصادی سروے کے مطابق پنجاب میں مردوں میں شرح خواندگی 74.2 فیصد جبکہ خواتین میں شرح خواندگی 58.4 فیصد ہے یعنی پنجاب میں مردوں کے مقابلے میں 42 فیصد خواتین ناخواندہ ہیں۔سندھ میں مردوں میں شرح خواندگی 72.9 فیصد ہےخواتین میں یہ شرح 49.7 فیصد ہے یعنی 51فیصد کے قریب خواتین ناخواندہ ہیں۔خیبر پختونخواہ میں مردوں میں شرح خواندگی 72.8 فیصد ہےجبکہ خواتین میں 37.4 فیصد ہے یعنی 63 فیصد خواتین ناخواندہ ہیں۔ بلوچستان میں مردوں میں شرح خواندگی 69.4 فیصد ہےخواتین میں شرح خواندگی 38.8 فیصد ہے یعنی 61 فیصد خواتین ناخواندہ ہیں۔خیبرپختونخوا واحدصوبہ ہے جہاں ناخواندہ خواتین کی تعدادسب سے زیادہ ہے۔

صوبوں کا یہ تعلیمی گراف بتارہا ہے کہ لگ بھگ 50 فیصد سے زائدخواتین ناخواندہ ہیں۔ کے پی کے اور بلوچستان میں 62 فیصد سے زائدخواتین ناخواندہ ہیں۔اتنی بڑی ناخواندہ آبادی کے ساتھ پاکستان ترقی کیسے کرسکتا ہے؟

زوال پذیر معیارِتعلیم: ایک المیہ

پاکستان میں ہرسطح کے تعلیمی اداروں اور اساتذہ کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہےمگر سب سے بڑا مسئلہ معیارِتعلیم کا ہے۔ جس طرف منصوبہ ساز شاید درست طریقے سے توجہ نہیں دے پارہے۔ اقتصادی سروے کے مطابق پاکستان میں مجموعی پرائمری سکولوں کی تعداد ایک لاکھ 83 ہزار ہے اور یہاں 5 لاکھ 7 ہزار

اساتذہ تعینات ہیں۔ پاکستان میں مجموعی مڈل سکولوں کی تعداد 48 ہزار ہے۔ یہاں تعلیم دینے والے اساتذہ کی تعداد 4 لاکھ 66 ہزار ہے۔ پاکستان میں مجموعی سیکنڈری سکولوں کی تعداد 32 ہزار ہے۔ یہاں 5 لاکھ 82 ہزار اساتذہ تعینات ہیں۔ پاکستان میں مجموعی کالجز کی تعداد 6 ہزار ہے یہاں ایک لاکھ 36 ہزار اساتذہ پڑھاتے ہیں۔ پاکستان میں نجی اور پبلک سیکٹر میں مجموعی یونیورسٹیز کی تعداد 218 ہے۔ یونیورسٹیوں میں پڑھانے والے لیکچررز کی تعداد 58 ہزار ہے۔

پاکستان کے تعلیمی شعبہ کے مختلف درجہ کے تعلیمی اداروں میں 17 لاکھ 49 ہزار اساتذہ تعلیم دے رہے ہیں مگر اس کے سوسائٹی پر مثبت اثرات نظر نہیں آرہے، اس پر سنجیدہ غور اور جدید ٹیچر ٹریننگ پروگرام کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ اس بات پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ طلبہ کو جو نصاب پڑھایا جارہا ہے اور جو ڈگری پروگرامز کروائے جارہے ہیں وہ کس حد تک عصری ضروریات اور مارکیٹ کی ضروریات سے ہم آہنگ ہیں؟

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہورہا ہے کہ تعلیم کا شعبہ مجموعی حیثیت سے نظر انداز ہورہا ہے۔ پاکستان ترقی کرنا چاہتا ہے تو تعلیم کو اہمیت دینا ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے شعبے میں درپیش مسائل کا ادراک شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو آج سے 5 دہائیاں قبل ہوگیا تھا اور انہوں نے جب تحریک منہاج القرآن کی بنیاد رکھی تو سب سے زیادہ فوکس تعلیم و تربیت پر تھا۔ نہ صرف مردوں کے لئے اعلیٰ اور بنیادی تعلیم کے مراکز قائم کئے گئے بلکہ خواتین کے لئے بھی الگ سے تعلیمی مرکز قائم کئے گئے۔

آج الحمدللہ تعالیٰ تحریک منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام پاکستان میں تعلیم کے شعبہ میں منہاج یونیورسٹی لاہور، جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، منہاج کالج برائے خواتین لاہور، منہاج ایجوکیشن سوسائٹی، نظام المدارس پاکستان، لارل ہوم انٹرنیشنل سکولز، آغوش گرائمر ہائرسیکنڈری سکولز (میل فی میل کیمپس)، تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹ جیسے مثالی تعلیمی اداروں کے ذریعے تعلیم یافتہ پاکستان کی طرف قابلِ رشک پیش رفت جاری ہے۔

اس ضمن میں اگر صرف منہاج یونیورسٹی ہی کی مثال لی جائے تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے فروغ میں منہاج یونیورسٹی لاہور سرفہرست تعلیمی ادارہ ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور کے بہترین تعلیمی معیار اور محفوظ ماحول کے باعث یہاں ہزار ہا طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ منہاج یونیورسٹی لاہور میں 10 فیکلیٹیز، 36 اکیڈمک سکولز اور 117 ڈگری پروگرامز کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ منہاج یونیورسٹی لاہور پرائیویٹ سیکٹر کی واحد یونیورسٹی ہے جو ہر سال مستحق و ذہین طلبہ و طالبات کو مالی مدد اور سکالرشپس کی صورت میں 70 ملین روپے سے زائد کا مالی فائدہ پہنچا رہی ہے۔ علاوہ ازیں منہاج یونیورسٹی لاہور کو اپنی نوعیت کے درج ذیل 6 منفرد ریسرچ سنٹرز پرائیویٹ و پبلک یونیورسٹیز میں ممتاز مقام عطا کرتے ہیں:

۱۔ قدیم و جدید ہزاروں نایاب کتب کے ذخیرہ پر مشتمل فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۲۔ انٹرنیشنل سنٹر فار ریسرچ اِن اسلامک اکنامکس
۳۔ حسان بن ثابت سنٹر فار ریسرچ اِن نعت
۴۔ شیخ الاسلام انسٹی ٹیوٹ آف سپرچوئل سٹڈیز
۵۔ جدید علوم میں تحقیق کے لئے سنٹر فار ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ
۶۔ سنٹر فار ریسرچ، انوویشن آف میری ٹائم افیئرز

☆ علاوہ ازیں منہاج یونیورسٹی لاہور میں المواخات مائیکرو فنانس پراجیکٹ، منہاج حلال سرٹیفکیشن، ابنِ سینا لائبریری اینڈ ریسورس سنٹر (پاکستان کی پہلی جدید روبوٹک لائبریری) اور سکول آف پیس اینڈ کاؤنٹر ٹیررازم منہاج یونیورسٹی کے منفرد پراجیکٹ ہیں۔

☆ منہاج القرآن کی فکری رہنمائی میں کام کرنے والے ان تعلیمی اداروں میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد طلبہ و طالبات دینی و عصری علوم کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ منہاج القرآن کے یہ تعلیمی ادارے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی فراہمی کے حوالے سے وطنِ عزیز میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اَلْقَوْلُ الْمَتِيْن فِى اَمْرِ يَزِيْدَ اللَّعِيْن

یزید کے کفر اور اُس پر لعنت کا مسئلہ؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی نئی تحقیقی و تاریخی کاوش اور نفسِ مسئلہ پر اپنی نوعیت کے منفرد، وقیع اور محققہ انسائیکلوپیڈیا کا اِجمالی تعارف

محمد فاروق رانا ☆

ہر دور کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور اہلِ حق اُس فتنے کی بیخ کنی و سرکوبی کے لیے جملہ وسائل اور توانائیاں بہ رُوئے کار لانے میں ایک لحظہ کی تاخیر نہیں کرتے، اس فتنے اور اس کا پرچار کرنے والوں کا علمی و فکری اور لسانی و قلمی محاکمہ و محاسبہ کرنا اُن کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اُمت پر جب بھی کوئی آزمائش آئی اور وہ علمی اور تحقیقی تشنگی کا شکار ہوئی تو ہمیشہ عصرِ رواں کے مجدّد نے اس کی کامل راہ نُمائی کا فریضہ سرانجام دیا اور اُمت کو جادۂ مستقیم پر گام زن کیا۔

پندرہویں صدی ہجری شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صدی ہے۔ حسبِ روایت اِس صدی میں تجدید و اِحیاء دین کا فریضہ آپ کے ذمہ ہے جسے آپ بخوبی ادا کر رہے ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کی چار عشروں پر محیط تاریخ شاہد و عادل ہے کہ جب بھی اُمت کو راہ نُمائی کی ضرورت پڑی، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ہمیشہ حق ادا کیا۔ آپ نے مداومت کے ساتھ ہر مشکل اور بظاہر لاینحل مسئلہ میں ایسی کافی و شافی راہ نُمائی فرمائی کہ اُس میں کوئی تشنگی نہ چھوڑی۔ یہ آپ کا اِمتیازی وصف اور خاصہ ہے کہ آپ مشکل ترین مسائل میں کسی طرح کے اگر، مگر کے بغیر اپنا مؤقف صریح اور واضح الفاظ میں پیش کرتے ہیں اور تمام پہلوؤں کو زیرِ بحث لاتے ہوئے کوئی گوشہ حل طلب نہیں چھوڑتے۔ یوں سائل اور قاری دونوں آپ کی تحقیق پر دادِ تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ناموسِ رسالت کا مسئلہ ہو یا شعائرِ اِسلام کی حفاظت و توقیر کا معاملہ ہو، اِسلام کے اَمن و آشتی کے چہرے کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے کلنک سے داغ دار کیا جارہا ہو یا توہین آمیز خاکے بنا کر اُمت کو اشتعال دلایا جارہا ہو، حجیتِ حدیث و سنت کا معاملہ ہو یا حدیث سے حدود کے اِثبات پر دلائل مقصود ہوں؛ تصوف کا مصادرِ اصلیہ سے اثبات کا سوال ہو یا صوفیا کی تعلیمات کا دفاع مقصود ہو؛ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ہر مرحلہ پر علمی اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں ایسی راہ نُمائی فرمائی کہ کوئی اس کا ردّ نہ کرسکا۔

گزشتہ کچھ سالوں سے اُمت میں رافضیت کے ردِّعمل میں خارجیت و ناصبیت کے اثر و نفوذ کا فتنہ پروان چڑھ رہا ہے۔ سادہ لوح مسلمان تو کجا، اہلِ علم بھی اِس کے مسموم اَثرات سے محفوظ نہیں رہے۔ مخصوص ایجنڈے کے تحت اہلِ علم کو راہِ اِعتدال سے ہٹا کر اِفراط و تفریط کا شکار کیا جاتا ہے اور پھر وہ عامۃ الناس کی ذہن سازی کرکے انہیں ایسی روِش پر چلاتے ہیں جو اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کی بارہ سو سالہ روایات کے برعکس ہوتی ہے۔

گزشتہ ایک دو دہائیوں میں مسلمانانِ عالم اہلِ بیتِ اَطہار علیہم السلام کی محبت اور ان کے ساتھ عقیدت کے حوالے سے

☆ ڈائریکٹر فریدِ ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

تشکیک و اِرتیاب کا شکار ہو کر پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں اور ان کے مخصوص اور عالی مقام و مرتبہ سے روگردانی کرتے نظر آتے ہیں۔ اِس کے برعکس ایک طبقہ ردِعمل میں دوسری انتہا کو پہنچ گیا ہے اور یوں وہ بھی راہِ اِعتدال سے منحرف ہوتا جا رہا ہے۔ گویا بہر صورت نقصان اور بدنامی اِسلام کی ہو رہی ہے۔ یوں اس آفاقی دین کے پیروکار راہِ اِعتدال سے ہٹ کر دنیا میں اپنی بداعتقادی اور عقبیٰ میں بربادی کا ساماں بہم پہنچا رہے ہیں۔

اِسلام کے نام لیواؤں نے جن ہستیوں کی تعلیمات اور اُسوہ پر عمل پیرا ہو کر متحد و یک جا ہونا تھا اور دوسروں کے لیے قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھی، اُنہی اَجل اور دین کی بنیاد ہستیوں کے بارے میں غلط عقائد اور نظریات کے فروغ کے باعث وہ باہم دست و گریباں ہو کر منتشر و پراگندہ ہو رہے ہیں۔ اِسی نکتہ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 1444 ہجری کے محرم الحرام میں اَہلِ بیتِ اَطہار سے عقیدت و نیاز مندی کا حقیقی فریضہ ادا کرتے ہوئے ایسے مسئلہ پر بے مثال اور منفرد تحقیق مکمل کی ہے جو صدیوں سے تشنہ اور راہ نُمائی طلب تھا۔

آپ نے یزید کے کُفر اور اُس پر لعنت کرنے کے مسئلہ پر اپنی نوعیت کی منفرد، وقیع اور جامع کتاب تصنیف کی ہے۔ اِصلاحِ عقائد کے باب میں یہ کتاب ایک منفرد اور قابلِ قدر کاوش ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنے علمی و فکری وصف اور تحقیقی مزاج کے عین مطابق اِس کتاب میں بھی سب سے پہلے قرآن و حدیث کی قطعی اور واضح نصوص سے یزید کے کُفر کا اِثبات کیا ہے۔ آپ نے اپنے مقدمہ کا مدار ہی قرآنی آیات اور صحیح احادیث پر رکھا ہے۔ آپ کی یہ نادر اور بے مثال کتاب ائمہ کرام کے مستند اور معتبر دلائل و براہین سے مزین ہے، جو نہ صرف واقعۂ کربلا کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا مکمل ازالہ کرتی ہے بلکہ سانحہ کربلا کے اَصل ذمہ داروں کے بارے میں بھی چشم کُشا حقائق منکشف کرتی ہے۔

ذیل میں ہم شیخ الاسلام کی اِس تاریخی کاوِش کے اَبواب کا اِجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں:

☆ پیش لفظ

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے کتاب کی ابتداء ایک جامع اور وقیع پیش لفظ سے کی ہے جس میں اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کے مقابلے میں یزید کی حمایت میں اُٹھنے والی آوازوں کے تاریخی و اعتقادی اَسباب و قرائن بیان کیے ہیں۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ عقیدہ کے باب میں کبھی کسی فرقہ کے ردِعمل میں تبدیلی رونما نہیں ہونی چاہیے، بلکہ عقیدہ صحیحہ وہی ہے جس پر اہل سنت و جماعت پچھلے چودہ سو سال سے کاربند ہیں اور وہ محبت و مودّتِ اَہلِ بیتِ نبوی ہے۔

باب نمبرا: قرآن و حدیث اور مسئلہ کُفرِ یزید

اِس باب میں شیخ الاسلام نے ایسی آیات سے استدلال کرتے ہوئے یزید کے کُفر کا اِثبات کیا ہے جن کے بارے میں عمومی طور پر یہ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ان آیات سے یزید کا کُفر ثابت ہوگا۔ نہ ہی کسی مفسرِ قرآن یا شارح نے ان آیات سے ایسا اِستدلال کیا ہے۔

باب نمبر۲: عہدِ یزید دین و ملت کے لیے باعثِ شرّ و فساد

اِس باب میں شیخ الاسلام نے صحیح اور حسن احادیث اور مستند و معتبر روایات سے ثابت کیا ہے کہ یزید کے عہدِ حکومت نے اُمت میں اِنتشار اور فساد کی طرح ڈالی اور یہ دین میں رخنہ ڈالنے کی روایت کا آغاز تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جن احادیث مبارکہ میں واضح طور پر آگاہ فرما دیا تھا کہ ''اُمت میں فساد پھیلانے والا پہلا فرد یزید بن معاویہ ہوگا''، اس باب میں شیخ الاسلام نے اِن تمام احادیث کی تحقیق و تخریج کرتے ہوئے اِن کی شرح بھی بیان فرمائی ہے۔

باب نمبر۳: یزید نے براہِ راست قتلِ حسین علیہ السلام کا حکم دیا

بعض لوگ حقائق سے لاعلمی کی بنا پر سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے باب میں خلطِ مبحث کرتے ہوئے یزید کے بجائے صرف عراق کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اِسی پر بس نہیں بلکہ اسے اندھا اور بے نامی قتل اور ان کے قاتلوں کو نامعلوم بنانے اور ان کے بارے میں ابہام

پیدا کرنے کی خارجی ذہنیت کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اِس تشکیک و اِبہام کی وجہ سے عوام الناس مخمصے کا شکار ہو کر سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ آخر اِس اَلم ناک سانحے اور نواسہ رسول ﷺ کی شہادت کا اَصل ذمہ دار کس کو ٹھہرایا جائے؟

باب ہٰذا میں شیخ الاسلام نے اِس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کتبِ حدیث اور مستند حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ یزید براہِ راست امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دینے والا تھا اور اُس کے اَحکامات اور منشاء کے مطابق یہ سانحہ بپا کیا گیا تھا۔

باب نمبر۴: شہادتِ امام حسین علیہ السلام پر یزید کا اِظہارِ مسرت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض والمحال یزید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا تو پھر اُس نے سانحہ کربلا پر اِظہارِ مسرت کیوں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ اُس نے نہ صرف اس فعلِ شنیع پر اظہارِ مسرت کیا بلکہ ابن زیاد اور اُس کے حواریوں کی سفاکیت سے خوش ہو کر اُنہیں انعامات سے بھی نوازا۔ اس باب میں یزید کے اظہارِ مسرت کو دلائل کے ساتھ کتبِ تاریخ سے بیان کیا گیا ہے۔

باب نمبر۵: یزید کا امام حسین علیہ السلام کے سرِ اَنور کی بھرے دربار میں توہین کرنا

یزید نے صرف سانحہ کربلا پر اِظہارِ مسرت ہی نہیں کیا بلکہ دمشق کے بھرے دربار میں امام حسین علیہ السلام کے سرِ اَنور کی توہین کی اور نفوسِ اَہلِ بیت کے ساتھ اِہانت آمیز سلوک کیا۔ یزید کے اس بدترین فعل کو دلائل کے ساتھ اس باب میں شرح و بسط سے قلمبند کیا گیا ہے۔

باب نمبر۶: اَہلِ مدینہ کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے والے کا شرعی حکم

اس باب میں اَہلِ مدینہ کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے والے کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے بالصراحت ثابت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کرنے اور اَہلِ مدینہ پر ظلم و زیادتی کرنے والے پر کفار کے حکم کا اِطلاق ہوگا اور اُسے اُس کے کسی سابقہ عملِ خیر کا اَجر نہیں ملے گا کیوں کہ اُس کا ہر عمل مدینہ منورہ کی بے حرمتی کے باعث اِکارت جائے گا۔ یزید نے جو کچھ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں کیا، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اُس نے اَہلِ مدینہ پر جو ظلم ڈھائے، تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یوں نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں یزید حرمتِ حرمین شریفین کو پامال کرنے اور اسے اپنی فوج پر حلال قرار دینے کی پاداش میں کافر ٹھہرا اور واصلِ جہنم ہوا۔

قارئین محتشم! اِس زاویہ نگاہ سے نہ کبھی لکھا گیا اور نہ کبھی یزید کے کُفر کو اِس پہلو سے ثابت کیا گیا ہے۔ گویا یہ بھی شیخ الاسلام کی فقید المثال تحقیق اور نادر اِعجازِ بیان ہے۔

باب نمبر۷: یزید کے حکم سے مسجد نبوی، مدینہ طیبہ اور کعبۃ اللہ کی بے حرمتی

(کبار تابعین اور اکابرین کے اَقوال کی روشنی میں)

باب ہٰذا میں کبار تابعین اور اکابرِ اُمت کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ واقعہ حرہ میں مسجدِ نبوی، روضہ رسول، منبر شریف اور حرمِ نبوی اور حرمِ مکہ کی جو بے حرمتی کی گئی اور ان مقدس ترین مقامات کا تقدس جس طرح پامال کیا گیا، اس سب کا صریح حکم یزید نے خود دیا تھا اور اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔

اِس باب کے آغاز میں یزید کی خرافات کی فہرست بھی دی گئی ہے، جن میں سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ یزید کے حکم کے تحت ستائیس (27) ہزار گھڑ سوار اور پندرہ (15) ہزار پیادہ فوج کے ذریعے حرمِ نبوی اور حرمِ مکہ پر لشکر کشی کی گئی اور ان کی حرمت کو پامال کیا گیا۔

باب نمبر۸: یزید کی سفّاکیت اور گھناؤنے کردار کا بیان

(صحابہ و تابعین اور اکابرینِ اُمت کی گواہی)

یزید کے کردار کے حوالے سے کوئی نرم گوشہ رکھنے کا اِمکان ہی نہیں ہے۔ اِس باب میں صحابہ و تابعین، سلف صالحین اور اکابرینِ اُمت کے مشاہدات، روایات اور آراء قلم بند کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یزید اپنے ظلم و جبر، جور و اِستبداد،

سفاکیت و بربریت اور بے دینی کی وجہ سے اِس لائق ہی نہیں کہ اُس کے بارے میں کوئی حسنِ ظن رکھا جائے؛ بلکہ اُس کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا شہدائے کربلا کی قربانیوں کو مشکوک کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا تصور کوئی صاحبِ ایمان نہیں کر سکتا۔

باب نمبر۹: یزید پر لعنت کے جواز میں صحابہ کرام، اَئمہ عظام اور علماء کی تصریحات

اِس باب میں واضح کیا گیا ہے کہ اَئمہ کرام نے قرآن مجید اور حدیث مبارک کے متون سے اِستدلال کرتے ہوئے یزید پر صریح الفاظ میں لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیا ہے۔ صدرِ اَوّل سے لے کر دورِ اَواخر تک کے معتبر و مؤقر اَہلِ علم کی آراء پیش کرتے ہوئے یہ عقیدہ واضح کیا گیا ہے کہ یزید پر بالتعیین یعنی یزید کا نام لے کر اُس پر لعنت کرنا بالکل جائز اَمر ہے۔

شیخ الاسلام نے ثابت کیا ہے کہ یزید پر بالتعیین نام لے کر لعنت بھیجنے پر فقہاء اَربعہ کا اِجماع ہے۔ اِس حوالے سے ایسی منفرد تحقیق کتاب میں پیش کی گئی ہے جس کی مثال اِسلام کی علمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ امام اَعظم ابو حنیفہ کی طرف سکوت کا قول منسوب کر کے اُن کے بارے میں وارد شدہ اِشکالات و اِبہامات اچھوتے انداز میں رفع کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر کوئی بھی اَہلِ علم داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

باب نمبر۱۰: اِثباتِ کُفرِ یزید میں اَئمہ عظام اور علماء کرام کی تصریحات

اِس باب میں یزید کے کُفر کے اِثبات میں اکابرینِ اُمت، اَئمہ عظام اور علماء کرام کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔ یزید کے کُفر پر تصریحات کا آغاز حضرت عبد الرحمان بن سعید بن زید التابعی سے کیا گیا ہے اور امام احمد بن حنبل سمیت 25 مختلف ائمہ و علماء کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔ یعنی بیسیوں ایسے ائمہ و علماء کا موقف پیش کیا گیا ہے جو یزید کے صریح کُفر کے قائل ہیں۔

باب نمبر۱۱: اِثباتِ کُفرِ یزید کے دیگر شرعی دلائل

یزید کے کُفر کے اِثبات کے دیگر دلائل بیان کرتے ہوئے کتبِ عقائد سے دلائل دیے گئے ہیں اور کلامی اَبحاث سے ثابت کیا گیا ہے کہ یزید اپنے قبیح اَعمال اور شنیع اَفعال کی بناء پر دائرہ اِسلام سے خارج ہو چکا تھا اور صریح کُفر و اِرتداد کا مرتکب ہو گیا تھا۔

باب نمبر۱۲: حدیثِ قسطنطنیہ اور اِزالہ اِشکال

باب ہٰذا میں معروف حدیثِ قسطنطنیہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ جب یزید کے حامیوں کے تمام دلائل ردّ ہو جاتے ہیں اور اُنہیں دفاعِ یزید کا کوئی سہارا نہیں ملتا تو پھر وہ حدیثِ قسطنطنیہ میں بیان کردہ بشارتِ نبوی کو دلیل بنا کر یزید کو بزعمِ خویش جنت کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے ثابت کیا ہے کہ یہ مؤقف اَٹل تاریخی حقائق کے خلاف ہے، کیونکہ بشارت پر مبنی حدیث مبارک درجنوں کتب میں وارد ہوئی ہے، مگر کسی حدیث میں قسطنطنیہ کا ذکر نہیں آیا۔ نیز یہ حقیقت بھی اَظہر من الشّمس ہے کہ حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ نے حملہ کرنے والے پہلے لشکر کے بارے میں بشارت دی ہے، جب کہ یزید بن معاویہ جس لشکر میں بلادِ روم گیا وہ آٹھواں لشکر تھا۔ لہٰذا حدیث مبارک سے استدلال کرتے ہوئے مغفرت کی بشارت میں یزید کو شریک مان کر اس کو بخشا ہوا کہنا متعدد وجوہات کی بناء پر خلافِ حقیقت قرار پاتا ہے۔

باب نمبر۱۳: شہادتِ حسین علیہ السلام دراصل تکمیلِ شہادتِ مصطفیٰ ﷺ ہے، اور قاتلِ حسین درحقیقت قاتلِ جانِ مصطفیٰ ہے

اس کتاب کا یہ ایک اچھوتا باب ہے۔ اس میں شیخ الاسلام نے باور کرایا ہے کہ شہادتِ حسین درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی تکمیل ہے۔ گویا امام حسین علیہ السلام کا قاتل دراصل محبوبِ خدا ﷺ کا قاتل ہے۔ لہٰذا نبی کا قاتل کیسے صاحبِ ایمان ہو سکتا ہے؟ بنا بریں یزید کے بارے میں صاحبِ ایمان ہونے کا شائبہ رکھنا بھی دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔ یزید کا اِسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مستند و معتبر اور ناقابلِ تردید دلائل سے یہ مؤقف ایک منفرد پیرائے میں بھرپور طریقے سے ثابت کیا گیا ہے۔

باب نمبر۱۴: یزید کے حواریوں کا دنیا میں ہی کفار کی طرح عبرت ناک اَنجام سے دوچار کیا جانا

یزید اپنے اعوان و انصار اور تمام حواریوں سمیت واصلِ

جہنم ہوا، جس طرح شیطان اپنے تمام چیلوں اور پیروکاروں سمیت دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ اِس باب میں شیخ الاسلام نے ثقہ روایات سے ثابت کیا ہے کہ یزید کے حواری اور سانحہ کربلا میں اُس کے احکامات کی بجا آوری پر مامور اُس کے کارندے دنیا میں ہی کفار کی طرح عبرت ناک انجام سے دو چار کردیے گئے تھے۔ جو عذاب عالمِ برزخ یا آخرت میں دیے جائیں گے، وہ عذاب یزید کے حواریوں کو دنیا میں ہی دے کر یہ بتلا دیا گیا تھا کہ کوئی ان کے جہنمی ہونے کے بارے میں متردّد نہ رہے اور کسی قسم کے التباس کا شکار نہ ہو۔

باب نمبر۱۵: یزید کے آخرِ وقت کے ذِلّت آمیز کرتوت اور عبرت ناک کافرانہ اَنجام

اس باب میں شیخ الاسلام نے بحث کو سمیٹے ہوئے نہایت خوب صورت انداز میں یزید کی بدبخت زندگی کے آخری ایام کے کرتوتوں سے پردہ فاش کیا ہے اور اُس کا عبرت ناک کافرانہ انجام بیان کیا ہے۔ بعض لوگ یزید کی توبہ کے مختلف اِحتمالات وضع کرتے اور ان کا پرچار کرتے ہیں۔ یزید کی زندگی کے آخری ایام میں اُس کے حکم پر حرمِ خدا میں خون بہایا جارہا تھا، کعبۃ اللہ پر منجنیقوں سے سنگ زنی کی جارہی تھی، کعبۃ اللہ کی عمارت کو منہدم کیا جارہا تھا، اُدھر اِسی دوران یزید اپنی بدمستیوں میں مگن تھا کہ اُس کی ذلت آمیز موت نے اُسے دبوچ لیا۔ یوں یزید کو موقع ہی نہ ملا کہ وہ توبہ کرسکے۔ لہٰذا اُس کے لیے توبہ کے اِحتمالات ڈھونڈنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

☆ اِختتامیہ: یزید کے حامیوں اور وکلاءِ صفائی سے چند سوالات

یہ باب شیخ الاسلام کی کمال وفورِ عقیدت کا مظہر ہے۔ اس میں اُنہوں نے بے مثال اَنداز میں یزید کے حامیوں اور وکلاءِ صفائی کے ایمان کو جھنجھوڑا ہے اور انہیں حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ یزید نے جو کیا سو کیا، اب اُس لعین اور بدبخت کی حمایت کرکے اپنے ایمان کو تو ضائع نہ کرو۔ یہ باب بصارت اور بصیرت کے درکھول کر پڑھنے کا متقاضی ہے۔

☆ قارئین کرام! غور کریں کہ شیخ الاسلام نے کس طرح اِنتہائی اَحسن انداز میں مرحلہ وار کتاب کے مشتملات کو آگے بڑھایا اور ایک ایک پہلو کو زیرِ بحث لائے۔ آپ نے نفسِ مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا اور نہ ہی کوئی گوشہ حل طلب رہنے دیا ہے۔ تمام ifs and buts کا قلع قمع کرتے ہوئے مکمل وضاحت اور صراحت کے ساتھ دقیق نکات پر بحث کی ہے۔

یہ کتاب درحقیقت فکری واضحیت اور اِعتقادی اِصلاح کے لیے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِسے ہر صاحبِ اِیمان کو ضرور پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔ اِس کتاب کی تالیف کا مقصدِ وحید شکوک و شبہات کا اِزالہ کرکے اُمت کی اِصلاح کرنا اور انہیں فکری وحدت کی لڑی میں پرونا ہے۔

اِس بات کی قوی اُمید ہے کہ موضوع ہذا پر شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے بیان کردہ دلائل و براہین کا رد کوئی بھی علمی و فکری مسلک و مکتب نہ کرسکے گا، ہاں مگر اس کا ردّ وہی بدبخت کرنے کی جسارت کرے گا جو اپنے آپ کو یزید اور اُس کے حواریوں کے زمرہ میں شامل کرنا چاہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند معاندین و حاسدین ہمیشہ کی طرح اپنے بغض و عدوات کا اظہار شیخ الاسلام پر رافضیت وشیعیت کے الزامات لگا کر کریں مگر یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ائمہ مذاہبِ اربعہ اور سلف صالحین میں سے دیگر محبانِ اہل بیت پر بھی اس طرح کے بہتان باندھنے کی پوری تاریخ ہے، جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

قارئین کرام! یہ اِس نادر اور عظیم الشان علمی شذرہ کا مختصر تعارف ہے۔ ہم پوری کتاب کو اِس مختصر مضمون میں زیرِ بحث نہیں لاسکتے، البتہ چند مقامات کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کردی ہیں تاکہ آپ اس کتاب کے مشتملات اور جامعیت سے آگاہ ہوں۔ کتاب کی ندرت اور اِس کے محاسن کا اندازہ تو اِسے بالتفصیل پڑھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ آخر میں صرف اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ کتاب ہماری آئندہ نسلوں کے عقیدہ کی حفاظت اور ایمان کے تحفظ کے لیے ازبس ضروری ہے۔

❁❁❁❁❁

کشمیری زبان میں عرفان القرآن کے ترجمہ کی اشاعت

عرفان القرآن کے تراجم اردو، انگلش، ناورجین، فن لینڈ، ہندی سندھی، یونانی، بنگالی، پشتو، فرانسیسی، ڈینش زبانوں میں ہوچکے ہیں

ترجمہ عرفان القرآن ہر ذہنی سطح کے لئے یکساں قابلِ فہم اسلوبِ بیان کا حامل ہے

ڈاکٹر پیرزادہ مقصود احمد

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی کے قلم سے مورخہ 20 جولائی 2005ء کو تکمیل پذیر ہونے والا عرفان القرآن اپنی نوعیت میں قرآن مجید کا ایک منفرد ترجمہ ہے، جو کئی جہات سے دیگر تراجمِ قرآن کی نسبت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اِس کی درج ذیل خصوصیات اسے دیگر تراجم پر فوقیت دیتی ہیں:

☆ ہر ذہنی سطح کے لیے یکساں قابلِ فہم اور منفرد اُسلوب بیان کا حامل ہے، جس میں بامحاورہ زبان کی سلاست اور روانی ہے۔

☆ ترجمہ ہونے کے باوجود تفسیری شان کا حامل ہے اور آیات کے مفاہیم کی وضاحت جاننے کے لیے قاری کو تفسیری حوالوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ نہ صرف فہمِ قرآن میں معاون بنتا ہے بلکہ قاری کے ایقان میں اضافہ کا سامان بھی ہے۔

☆ یہ تاثیر آمیز بھی ہے اور عمل انگیز بھی۔ حبّی کیفیت سے سرشار اَدبِ اُلوہیت اور ادبِ بارگاہِ نبوی ﷺ کا ایسا شاہکار ہے جس میں حفظِ آداب و مراتب کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ اعتقادی صحت و ایمانی معارِف کا مرقع ہے۔

☆ تجدیدی اہمیت کا حامل دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید ترین اُردو ترجمہ ہے، جس میں جدید سائنسی تحقیقات کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ یہ علمی ثقاہت وفکری معنویت سے لبریز ایسا شاہکار ہے، جس میں عقلی تفکر و عملیت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ روحانی حلاوت وقلبی تذکر کا مظہر ہے۔ اِس میں نہ صرف قرآنی جغرافیہ کا بیان ہے بلکہ سابقہ اقوام کا تاریخی پس منظر بھی مذکور ہے۔

☆ اب تک درج ذیل زبانوں میں عرفان القرآن کے تراجم شائع ہو چکے ہیں:

۱۔اردو ۲۔انگلش ۳۔ ناروجین ۴۔فن لینڈ ۵۔ ہندی ۶۔سندھی ۷۔یونانی ۸۔بنگالی
۹۔کشمیری ۱۰۔پشتو ۱۱۔فرانسیسی ۱۲۔ڈینش

عرفان القرآن کے نام سے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب بانی وسرپرست منہاج القرآن انٹرنیشنل کا مقبولِ خاص و عام قرآن مجید کا اردو ترجمہ تحریک منہاج القرآن کشمیر کی حسنِ سعی سے اب الحمدللہ کشمیری زبان میں منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ چند ایام قبل مجھے محترم شیخ مدثر صاحب (مہتمم پروجیکٹ) کی وساطت سے اس کی ایک کاپی وصول ہوئی ہے۔ خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ معیاری کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہوا۔

دراصل یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ دنیا بھر کی اکثر و بیشتر زبانوں میں اس کے تراجم اور تفاسیر عالمِ انسانیت کو بدستور ہدایتِ خداوندی سے آشنائی فراہم کررہے ہیں۔ تقریباً دنیا کی 114 زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا معرض وجود میں آنا

☆ سابقہ پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج قاضی گنڈ، سابقہ صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج (بوائز) انت ناگ، مقبوضہ کشمیر

قرآن کے اس بیان کی کھلی تائید و توثیق ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (القيامة، ۷۵: ۱۷ تا ۱۹)

’’بے شک اسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے۔ پھر جب ہم اسے (زبانِ جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔ پھر بے شک اس (کے معانی) کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذِمّہ ہے۔‘‘

چنانچہ قرآن کے معانی کا کھول کھول کر بیان کرنے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے یوں بھی پورا کر دکھایا کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم و تفاسیر میسر ہیں۔ ورنہ یہ بات اہلِ عرب کے لیے تو بجا تھی مگر عربی زبان سے ناآشنا عجمی ’’ھدی للناس‘‘ کی نعمتِ عظمیٰ سے یکسر محروم رہتے۔ اسی وعدہ الٰہی کے ماتحت کشمیری زبان کو بھی یہ سعادت عرصہ پہلے حاصل ہو چکی ہے جب کشمیر کے میر واعظ خاندان کے ایک چشم و چراغ مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم نے کشمیری زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تفسیر لکھی اور وہ 1889ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مقبولِ عام ہوئی۔ خوش قسمتی سے ایڈیٹر نصرت الاسلام سرینگر کی وساطت سے اس کی ایک کاپی مجھے تحفتاً ملی تھی۔

آج تقریباً بتیس سال کے بعد علامہ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب مدظلہ کے عرفان القرآن کا کشمیری ترجمہ بھی میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے پچھلے چند دنوں میں اس کو کئی جگہوں سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی تو محسوس ہوا کہ مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم کے ترجمہ ’بیان القرآن‘ کے باوصف ’عرفان القرآن‘ کے کشمیری ترجمے کی اشد ضرورت تھی۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو کشمیری زبان و ادب سے واقفیت اور شغف رکھتے ہیں۔ عرفان القرآن کا یہ کشمیری ترجمہ نہایت آسان، شستہ، رواں اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عصری زبان میں لکھا گیا ہے جو قرآن کے معانی کو قاری کے دماغ میں باسہولت داخل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دل کی تاروں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ترجمہ کار نے نہایت عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ اردو ترجمہ کو کشمیری زبان کے لباس میں بعینہٖ منتقل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور یہ ترجمہ کار کی ذاتی دلچسپی اور فنی چابکدستی کا غماز ہے۔ اگر مناسب طریقے سے اس کی تشہیر کی گئی تو یہ ترجمہ بفضلِ الٰہی مقبولِ خاص و عام ہوگا کیونکہ عرفان القرآن ایک ایسی شخصیت کے شہوارِ قلم کا نتیجہ ہے جس کے متعلق موافق تو رہے مخالف بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

لہٰذا عرفان القرآن کو کشمیری زبان میں منتقل کرنے کا کارنامہ ایک ایسا قدام ہے جو نہ صرف کشمیری زبان و ادب و اہالیانِ کشمیر کے لیے ایک مژدہ جانفزا ہے بلکہ یہ خود کشمیری زبان و ادب کی خوش بختی ہے کہ اس کے لٹریچر میں ایک معتبر کشمیری ترجمۂ قرآن کا اضافہ ہوا ہے اور یہ اس کے علمی سرمایہ میں انتہائی خوبصورت، بابرکت اور گراں قدر تحفہ الٰہی ہے۔ جس عام فہم زبان اور جدید اندازِ اسلوب نیز سائنسی و روحانی حقائق کی روشنی میں یہ ترجمہ لکھا گیا ہے اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ بات بلاخوف و تردد کہی جاسکتی ہے کہ یہ ترجمہ قبل ازیں کے کشمیری تراجم سے ملتِ اسلامیہ کشمیر کو بے نیاز کرسکتا ہے۔

ضمناً یہ بات عرض کرتا چلوں کہ کشمیر میں گوجری زبان میں ترجمہ قرآن کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ میری تمنا ہے کہ کاش شیخ الاسلام کے عرفان القرآن کا گوجری زبان میں بھی ترجمہ کیا جائے تاکہ برصغیر ہندو پاک کے کوہ و دمن اور میدانوں میں پھیلے ہوئے گوجری زبان بولنے والے قبائل کی ایک اشد ضرورت کو پورا کیا جاسکے اور یہ برادری جن کی اچھی خاصی آبادی ہے، اس فیضِ جاوداں سے محروم نہ رہے۔ امید ہے کہ منہاج القرآن اس طرف متوجہ ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرکے عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ منہاج القرآن کشمیر کے منتظمین، ترجمہ کار، ناشرین اور اس میں سعی کرنے والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے اور ملتِ اسلامیہ کشمیر کے لیے اس ترجمہ کو باعثِ خیر و برکت اور نافع و شافع بنائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

❁❁❁❁❁

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ برطانیہ

علمائے کرام، سکالرز و تنظیمی رہنماؤں سے ملاقاتیں

شیخ الاسلام نے گلاسگو، انگلینڈ نارتھ و ساؤتھ زون، اولڈہم (مانچسٹر) اور بریڈفورڈ میں کانفرنسز میں شرکت کی اور خطابات فرمائے

خصوصی رپورٹ: جی ایم ملک

گزشتہ ماہ جولائی 2022ء میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری برطانیہ کے دعوتی اور تنظیمی دورہ پر تشریف لے گئے۔ اس دورہ کے دوران آپ نے مختلف پروگرامز اور کانفرنسز میں شرکت کی۔ اس دورہ میں علماء و مشائخ اور ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے احباب نے آپ سے ملاقاتیں کیں۔ اس دورہ کی مختصر رپورٹ نذرِ قارئین ہے۔ (تفصیلی رپورٹ اور تصاویر کے لیے www.minhaj.org پر ملاحظہ فرمائیں)

ا۔ گلاسگو میں علمائے کرام و سکالرز کی شیخ الاسلام سے ملاقات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری سے برطانیہ میں سکاٹ لینڈ میں خدمتِ دین انجام دینے والے علمائے کرام اور مذہبی سکالرز کی ایک بڑی تعداد نے ملاقات کی۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کہا کہ اسلام کی حقیقی انسانی و روحانی تعلیمات کے فروغ و احیاء کے لئے علمائے کرام کو فروعی و مسلکی اختلافات سے بالاتر ہونا ہوگا۔ اسلام اتحادِ امت اور اجتماعیت کا دین ہے۔ فرقہ واریت سے اتحادِ امت اور بین المذاہب رواداری کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ بیرونی دنیا میں مقیم ہر مسلمان اسلام کا داعی اور سفیر ہے۔

دیارِ غیر میں علمائے کرام دیگر مذاہب کے عوام کے لئے رول ماڈل بنیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سراپا شفقت و رحمت تھے۔ آپ ﷺ اپنے پاکیزہ کردار اور گفتار کی وجہ سے خاص و عام میں مقبول ہیں۔ آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک آج بھی اُمت کے لئے مشعل راہ ہے۔ جب مصطفوی تعلیمات کے مطابق خدمتِ دین کا فریضہ انجام دیا جائے گا تو اُس کے ثمرات یقینی طور پر ظاہر ہوں گے اور اُمہ کا کردار وسعت پذیر ہوگا۔

اسلام انفرادیت نہیں اجتماعیت کی بات کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے لاتفرقوا کا حکم دیا ہے۔ اسلام کسی ایک گروہ یا فرقے کی نہیں پوری انسانیت کی بات کرتا ہے۔ اسلام کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ کر ملی وحدت کو نقصان پہنچایا گیا۔ خود کو حق کہنا اور دوسروں پر باطل کے فتوے دینا انتہا پسندی اور شدت پسندی ہے۔ ایسے رویوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ملت کی امیدیں علمائے کرام سے وابستہ ہیں۔ علماء بنائے دین کے محافظ ہیں۔ علمائے کرام نوجوانوں کو افتراق و انتشار اور اخلاقی و فکری گراوٹ سے باہر نکالیں۔

شیخ الاسلام کی فکری نشست میں گلاسگو، ایڈنبرا، گلینارتھ، ڈنفرم لائن، کومبرلینڈ اور سکاٹ لینڈ کے طول و عرض سے درجنوں علماء، سکالرز نے شرکت کی۔ علماء و سکالرز میں مولانا شبیر ربانی، مولانا مظہر حسین چشتی، مولانا سعید نقشبندی، شیخ حسن ربانی، شیخ حماد منصور، حافظ فیض احمد، شیخ علی عباس، حافظ محمد ساجد، قاضی تجمل حسین، شیخ رومی غفور، قاری محمد مشتاق، مولانا عتیق الرحمٰن، مولانا منصور، قاری احمد صدیقی، قاری محمد شاہد، حافظ محمد نوید، سید امانت شاہ، شیخ عامر جمیل، ڈاکٹر محمد رفیق حبیب، علامہ محمد شاہد بابر، علامہ عثمان الازہری، علامہ غلام احمد

صمدانی، علامہ عدیل قاسمی، محمد شیراز، محمد کامران صوفی، ڈاکٹر محمد ادریس، دانش اشرف، شوکت سلطان، چودھری محمد منیر، مولانا سید طفیل شاہ، ڈاکٹر جاوید گل، ڈاکٹر جاوید ندوی، مفتی راغب، قاری ماجد حامد، حافظ قاری عبداللہ، مولانا ابراہیم، ڈاکٹر حافظ خالد رضوان، مولانا ابوبکر، مولانا راجہ سرفراز، مولانا نور الھدیٰ، مولانا اختر زیبی اور مولانا امین شام شامل تھے۔

۲۔MQI انگلینڈ نارتھ زون کے عہدیداران سے نشست

منہاج القرآن انٹرنیشنل انگلینڈ نارتھ زون کے عہدیداروں اور کارکنان نے شیخ الاسلام کے ساتھ ملاقات کی۔ اس موقع پر چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری اور شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری بھی موجود تھے۔ ملاقات میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تربیتی گفتگو کی۔

۳۔اولڈہم (مانچسٹر) میں علماء و سکالرز سے ملاقات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی اولڈہم (مانچسٹر) کی سنٹرل مسجد میں علماء اور سکالرز کے خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا گیا، جس میں برطانیہ بھر سے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام اور اسکالرز نے شرکت کی۔

اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حقیقی اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے ہمیں زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ علم، محبت اور صبر وتحمل کے فروغ کے ذریعے ہی ہم انتہا پسندانہ نظریات کو شکست دے کر اعتدال و توازن اور امن و سلامتی پر مبنی اسلامی تعلیمات کو فروغ دے سکتے ہیں۔ انتہا پسندی کے خلاف لڑنے کے لیے علم ہی کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے اور معاشرے کو روشن خیال بنا سکتا ہے۔

اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری اور شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری بھی موجود تھے۔ اس نشست میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے علماء کو حدیث مسلسل بالمصافحہ کی خصوصی اجازت بھی عطا فرمائی۔

۴۔برطانیہ میں شیخ الاسلام کا نیشنل یوتھ کانفرنس سے خطاب

منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیراہتمام نیشنل یوتھ کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے خطاب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے پلیٹ فارم سے یوتھ موومنٹ کے قیام کا اعلان کیا۔ شیخ الاسلام نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ میں یوتھ موومنٹ نوجوانوں میں محبت رسول ﷺ کے فروغ کے لیے منہاج مسلم جنریشنز کے نام سے کام کرے گی۔

شیخ الاسلام نے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا کریں۔ انسان کی مادی زندگی، روحانی زندگی اور روزمرہ کے معمولات زندگی میں اعتدال اور توازن قائم کرنے میں ہی کامیابی ہے۔ آج ہمیں ایک کامیاب انسان بننے کے لیے اپنی ضروریات زندگی اور کاروبار وغیرہ حتیٰ کہ عبادات اور اللہ رب العزت کی بندگی و نوکری میں بھی توازن کا حسن پیدا کرنا ہے۔ ہمیں اپنی عائلی و خاندانی زندگی میں اپنے والدین، بیوی بچوں، چھوٹے بڑوں، رشتہ داروں اور کمیونٹی کے ساتھ برتاؤ میں بھی توازن و عدل کے معیارات قائم کرنا ہوں گے۔ اس کے ساتھ اللہ رب العزت کے ساتھ اپنے تعلق بندگی میں بھی توازن و حسن اعتدال پیدا کرنا ہے، کیونکہ توازن اور اعتدال ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

یوتھ کانفرنس میں چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری، شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری کے علاوہ منہاج القرآن انٹرنیشنل UK کے مختلف فورمز کے ذمہ داران و عہدیدار بھی موجود تھے۔

۵۔MQI یو کے ساؤتھ زون کے کارکنان کی ملاقات

منہاج القرآن انٹرنیشنل یو کے کے زیراہتمام ساؤتھ زون کے کارکنان اور برطانیہ بھر سے منہاج یوتھ کے نوجوانوں کے ساتھ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا، جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تربیتی خطاب کیا۔ اس موقع پر شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری اور

شیخ احمد مصطفیٰ العربی القادری بھی موجود تھے۔

شیخ الاسلام نے وفاداری اور بے وفائی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اپنے دین اور ایمان کے ساتھ وفاداری ہی اصل زندگی ہے۔ اپنے ایمان پر استقامت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکرگزار رہنا، ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں کوئی حکم دیا ہے تو اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، اسی کا نام وفاداری اور اطاعتِ الٰہی ہے۔

دوسری جانب جب بندہ اطاعتِ الٰہی نہیں کرتا تو پھر اللہ کی بے وفائی کا مرتکب ہوتا ہے، جس سے انسان سے گناہ سرزرد ہوتے ہیں۔ انسان گناہ کرتے ہوئے اللہ کی اطاعت اور احکامِ الٰہی کو بھول جاتا ہے تو یہاں سے گمراہی کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ کا سچا اور وفادار بندہ اپنی مرضی، خواہشات اور ترجیحات کو امرِ الٰہی کے سپرد کر دیتا ہے، تاکہ گمراہی کے کفر سے بچا جا سکے، یہی انسان کی بندگی میں کمال کا درجہ ہے۔

موجودہ دور میں انسان کی ہدایت اور گمراہی میں کمپنی اور صحبت بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اچھی صحبت انسان کو اللہ کی بندگی کی طرف لے جاتی ہے۔ آپ سب پر لازم ہے کہ آپ اپنا محاسبہ کریں کہ آپ اچھی صحبت میں ہیں یا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بری صحبت اختیار کر چکے ہیں۔ جب بندہ بری صحبت میں چلا جاتا ہے تو پھر شیطان اس بری صحبت کا محافظ بن کر اس بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتا چلا جاتا ہے۔

اگر اللہ کا سچا بندہ بننا چاہتے ہیں تو پھر زندگی میں احکامِ الٰہی کے خلاف اپنی مرضی ترک کر دیں۔ ہمیں احکاماتِ الٰہی کے سامنے اس مولا کی معصیت، گناہ اور لذاتِ دنیا کو چھوڑنا ہو گا۔ کیونکہ جب ہم اللہ کی وفاداری کا اعلان کرتے ہیں تو پھر شیطان کی وفاداری ترک کرنی ہو گی۔ جب انسان اللہ کی وفاداری اختیار کر لے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سچے بندوں میں شامل کر لیتا ہے، جن کو دنیا و آخرت میں عزت ملتی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سچے بندوں کی شفاعت یعنی سفارش بھی قبول فرمائے گا۔

۶۔ پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری UK کے زیر اہتمام شیخ الاسلام کے اعزاز میں ظہرانہ کا انعقاد

پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری UK کے صدر عامر خواجہ نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے اعزاز میں مانچسٹر میں ظہرانہ کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور برطانیہ کی معروف کاروباری شخصیات نے خصوصی شرکت کی۔

اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا کہ اوورسیز پاکستانی ہمارا عظیم اثاثہ ہیں اور پاکستان کی معیشت کے لیے اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ بیرون ملک رہنے والے پاکستانی حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہیں اور اپنے وطن کی ہر تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ قومی تعمیر و ترقی میں کردار ادا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار اور جذبے سے معمور رہتے ہیں۔

تقریب میں صدر (PCCI-UK) عامر خواجہ نے شیخ الاسلام کا تقریب میں شرکت کرنے پر خصوصی شکریہ ادا کیا اور آپ کو شیلڈ پیش کی۔ اس موقع پر انھوں نے PCCI کی سرگرمیوں بارے حاضرین کو بریفنگ دی۔

۷۔ شیخ الاسلام کا مدینۃ الزہرا (بریڈفورڈ) کا دورہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے حالیہ دورہ UK کے دوران منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیرِاہتمام بریڈفورڈ میں قائم کیے جانے والے عظیم علمی، فکری اور روحانی مرکز ’’مدینۃ الزہراء‘‘ کا دورہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے UK کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مدینۃ الزہراء مستقبل میں ان شاء اللہ العزیز نوجوان نسل کے ایمان کے تحفظ، امن اور صبر و تحمل کے فروغ، تعلیم و تربیت کی اشاعت اور تعمیر ذات کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرے گا۔ دعا ہے کہ یہ منصوبہ جلد از جلد مکمل ہو اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے سفر کا آغاز کر سکے۔

اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، شیخ حماد مصطفیٰ المدنی، شیخ احمد مصطفیٰ العربی، محترمہ ڈاکٹر غزالہ قادری، محترمہ باسمہ حسن قادری اور MQI بریڈ فورڈ کے عہدیداران و ذمہ داران بھی موجود تھے۔ ❁❁❁❁❁

”واقعہ کربلا بیداریٔ شعور کی لازوال داستان ہے“

منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں ”پیغامِ امام حسینؑ و اتحادِ اُمت“ کانفرنس

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور دیگر مسالک فکر کے نمائندہ علماء کا خطاب

رپورٹ: محمد جواد حامد (نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن)

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ پر ”پیغام امام حسینؑ و اتحاد امت“ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور دیگر مسالک کے نمائندہ علماء نے خصوصی شرکت کی۔

کانفرنس میں تلاوت قرآن مجید کی سعادت قاری سید خالد حمید کاظمی اور قاری عطاء المنان نے حاصل کی۔ محمد افضل نوشاہی، محمد آصف اقبال مغل، ظہیر عباس بلالی برادران، شکیل احمد طاہر، امجد علی بلالی برادران نے شانِ اہلِ بیتؑ میں منقبت پیش کی۔

کانفرنس میں امیر متحدہ جمعیت اہل حدیث علامہ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، پرنسپل جامعہ قرآن و اہل بیت علامہ حافظ کاظم رضا نقوی، راہنما مجلس علماء پاکستان مفتی محمد مبشر نظامی اور امیر جماعت اہلسنت پنجاب مفتی شبیر انجم نے خصوصی شرکت کی اور اظہارِ خیال کیا۔

☆ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ واقعہ کربلا بیداری شعور کی داستان مسلسل ہے، امام عالی مقام نے جان کا نذرانہ پیش کر کے انسانیت کو سچ کے ساتھ جینے کا شعور دیا۔ یزید ملعون نے اسلامی قدروں کو مٹانے اور امت کو تقسیم کرنے کی بنیاد رکھی۔ علمائے کرام تقسیم اور فرقہ واریت کی نفی کر کے اتحاد و یکجہتی کا پیغام عام کریں۔ واقعہ کربلا بیداریٔ شعور کی لازوال داستان ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے کربلا میں دین کے لئے مرنا سکھایا اور کربلا سے پہلے دین کے لئے جینا سکھایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن اور میری عترت آپس میں کبھی جدا نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کا دامن تھام لینے والے کبھی صراط مستقیم سے ہٹیں گے۔

شہادت کے بعد بھی امام عالی مقام کے لبِ اقدس پر تلاوت قرآن جاری تھی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن اور میری عترت کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے ساتھ آ ملیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد قرآن اور میری عترت سے جڑے رہنا، کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اہل بیتِ اطہار علیہم السلام سے محبت ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ حسنین کریمین علیہما السلام شبیہِ اَخلاق مصطفیٰ ﷺ تھے۔ ان کی پاک دامنی، عمدہ کردار، اعلیٰ اخلاق، تقویٰ و طہارت، زہد و ورع، سخاوت و دریا دلی سب پر خُلقِ مصطفیٰ ﷺ کی چھاپ تھی۔

☆ کانفرنس سے علامہ سید ضیا اللہ شاہ بخاری نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہر اہم موقع پر منہاج القرآن کے پلیٹ فارم اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی طرف سے پورے پاکستان کو اتحاد و یکجہتی کا پیغام دیا جاتا ہے۔ اہل بیت اطہارؑ سے بے اندازہ محبت کی وجہ سے میں شیخ الاسلام اور منہاج القرآن سے محبت کرتا ہوں اور ان کی خدمات کا معترف ہوں۔ منہاج القرآن والوں کے ہاتھوں میں امام حسینؑ کی محبت کا پرچم ہے اور محبت و مودت کا یہ پرچم پوری دنیا میں لہرا رہا ہے۔

☆ علامہ حافظ کاظم رضا نقوی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اہل بیت اطہار کی محبت احیائے دین کا مرکزی نقطہ ہے۔ جو دل اہل بیت کی محبت سے خالی ہیں، وہ

دل ایمان سے خالی ہیں۔ پوری کائنات میں پیغام امام حسینؑ پہنچانے والے کا نام شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ہے۔ منہاج القرآن نے ہمیشہ دلوں کو جوڑا اور حریت وصداقت کے حسینی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔

☆ علامہ شبیر انجم قادری نے کہا کہ محبت اہل بیتؑ روحِ ایمان ہے۔ جس طرح جسم میں روح نہ ہو، وہ مردہ ہے، اسی طرح نواسہ رسول کی محبت اور شہداء کربلا کے غم سے خالی دل مردہ ہیں۔ منہاج القرآن کا مرکزی سیکرٹریٹ اتحاد و یگانگت اور محبت اہل بیت کا مرکز ہے اور یہاں سے پورے پاکستان کو اتحاد ویکجہتی کا پیغام جاتا ہے۔ پیغام امام حسینؑ یہ ہے کہ تقویٰ و طہارت والی زندگی بسر کرو اور ظلم کے سامنے سر نہ جھکاؤ۔

☆ علامہ مبشر نظامی نے شان اہل بیتؑ میں منظوم اظہار عقیدت پیش کیا اور کہا کہ امام حسینؑ نے جان کی قربانی دے کر امامت پر سچ اور جھوٹ کا فرق واضح کردیا۔ تمام مکاتب فکر اسلام کے پھول ہیں، منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ان پھولوں کو اکٹھا کرکے اسلام کا خوبصورت گلدستہ بنا دیا ہے۔

☆ کانفرنس میں ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، علامہ میر محمد آصف اکبر قادری، راجہ زاہد محمود، محمد رفیق نجم، نور اللہ صدیقی، علامہ سید فرحت حسین شاہ، محمد جواد حامد، سید الطاف حسین شاہ، سید مشرف حسین شاہ، سہیل احمد رضا، ڈاکٹر سرور صدیق، علامہ محمد اشفاق علی چشتی، علامہ مفتی خلیل حنفی، صوفی مقصود قادری اور منہاج القرآن کے مرکزی قائدین اور علماء کونسل کے عہدیداران نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

تحریک منہاج القرآن لاہور کے قائدین اور لاہور سے رفقاء و کارکنان اور خواتین سمیت عشاقانِ رسول ﷺ اور محبانِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی بڑی تعداد بھی کانفرنس میں شریک تھی۔ کانفرنس کے اختتام پر ملک کی سلامتی، تحفظ اور اتحاد امت کے لیے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے خصوصی دعا کروائی۔

❁❁❁❁❁

کارکنان وتنظیمات متوجہ ہوں!

تجدید واحیائے دین، دعوت وتبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج واقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ کے لئے کوشاں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی پیغام کو اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات تک پہنچانے کے لئے

سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

عالمی اعزازِ نعت گوئی

اگر آپ اردو یا انگریزی میں شاعری کرتے ہیں تو شامل ہوجائیے پیغمبرِ انسانیت ﷺ کے مدح سراؤں کی صفت میں اور پائیے ''عالمی اعزازِ نعت گوئی''

''حسان بن ثابت نعت ریسرچ سنٹر''، منہاج یونیورسٹی لاہور ماہِ ربیع الاول 1444ھ کی مناسبت سے ''عالمی اعزازِ نعت گوئی'' میں اردو اور انگریزی کے شعراء کو دی گئی چار الگ الگ کیٹیگریز میں شرکت کے لیے مدعو کرتا ہے:

1: نجی و سرکاری یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات (اردو شعرا)

طرحی مصرعہ: بے کسوں کی اسی سرکار میں شنوائی ہے۔ (حسن رضا خاں)

قوافی: آئی، رسوائی، بینائی، پذیرائی وغیرہ۔

ردیف: ہے

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: اسوۂ حسنہ۔

2: نجی و سرکاری، یونیورسٹیز اور کالجز کے اساتذہ (اردو شعراء)

طرحی مصرعہ: نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

قوافی: کام، جام، دام، بام، وغیرہ،

ردیف: سے ہے

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: منارۂ نور/ مینارِ نور

3: مشقِ سخن میں اچھا نام رکھنے والے صاحبِ دیوان (اردو شعراء)

طرحی مصرعہ: میں ہوں بندۂ شاہدِ ارض و سماء، مجھے شاہدِ ارض و سماء کی قسم (غلام محمد ترنم)

قوافی: خدا، وفا، سخا، دعا وغیرہ۔

ردیف: کی قسم

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: استغاثۂ ملی بحضور سرورِ کائنات ﷺ

4: کسی بھی عمر اور طبقے سے تعلق رکھنے والے انگریزی شعراء

اہم تاریخیں:

کلام بھجوانے کی آخری تاریخ:	13 اکتوبر 2022ء
نتائج کی تاریخ:	17 اکتوبر 2022ء
مشاعرہ کی متوقع تاریخ:	27 اکتوبر 2022ء

اہم نکات:

☆ صرف اردو اور انگریزی زبان میں لکھا گیا کلام ہی زیرِ غور لایا جائے گا۔

☆ انگریزی کلام کے لیے کوئی گروپ، عنوان یا طرحی مصرعہ نہیں ہے۔ البتہ نعتیہ کلام تازہ تخلیق شدہ ہو اور پہلے سے کہیں چھپ نہ چکا ہو۔

☆ عالمی اعزازِ نعت گوئی میں شرکت کے لیے مذہب، قومیت، ملک، صنف اور عمر کی کوئی قید نہیں۔

☆ عالمی نعت گوئی میں انٹریز بھجوانے کے لیے رجسٹریشن فیس یا دیگر چارجز نہیں ہیں۔

☆ غزلیہ نعتیہ کلام کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ نو اشعار پر مشتمل ہونا چاہیے۔ جبکہ نظمیہ نعتیہ کلام میں کم از کم چار اور

زیادہ سے زیادہ سات بند ہوں۔

☆ شعروسخن کی دنیا کے نامور افراد پر مشتمل جائزہ کمیٹی چاروں کیٹیگریز سے دس دس شعراء کے کلام کو منتخب کرے گی اور ان منتخب شعراء کو منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعرہ میں مدعو کیا جائے گا۔

☆ ہر کیٹیگری میں میرٹ پر آنے والے پہلے تین تین نعتیہ کلاموں کو بہترین کمپوزیشن کے ساتھ معروف آوازوں میں ریکارڈ کرواکر سوشل میڈیا پر وائرل کیا جائے گا۔

☆ ہر کیٹگری میں میرٹ پر آنے والے پہلے پہلے پچاس نعتیہ کلاموں کو شاعر کے مختصر تعارف کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔

☆ عالمی اعزازِ نعت گوئی میں شرکت کرنے والے تمام شعراء کو سرٹیفکیٹس دیئے جائیں گے۔

☆ منتخب شعراء کو اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا۔

☆ نعتیہ کلام کے ساتھ اپنا مختصر تعارف بھجوائیں جو کسی طور بھی چھ سطروں سے زائد نہ ہو۔

☆ اپنا کلام اپنے رابطے کی تمام صورتوں مثلاً پوسٹل ایڈریس، فون نمبر، ای میل وغیرہ (جو بھی دستیاب ہو) کے ہمراہ 13 اکتوبر 2022ء سے پہلے ای میل hnrc@mul.edu.pk پر یا 0092-333-5259264 پر واٹس ایپ کریں۔

☆ مزید تفصیلات کے لیے وزٹ کریں:

https://hnrc.mul.edu.pk

☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا دورۂ برطانیہ (UK)

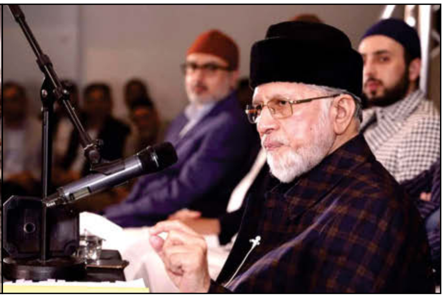

پیغامِ امام حسین علیہ السلام و اتحادِ امت کانفرنس (مرکزی سیکرٹریٹ لاہور)

Monthly MINHAJ-UL-QURAN LAHORE

SEP-2022

Regd CPL No.41

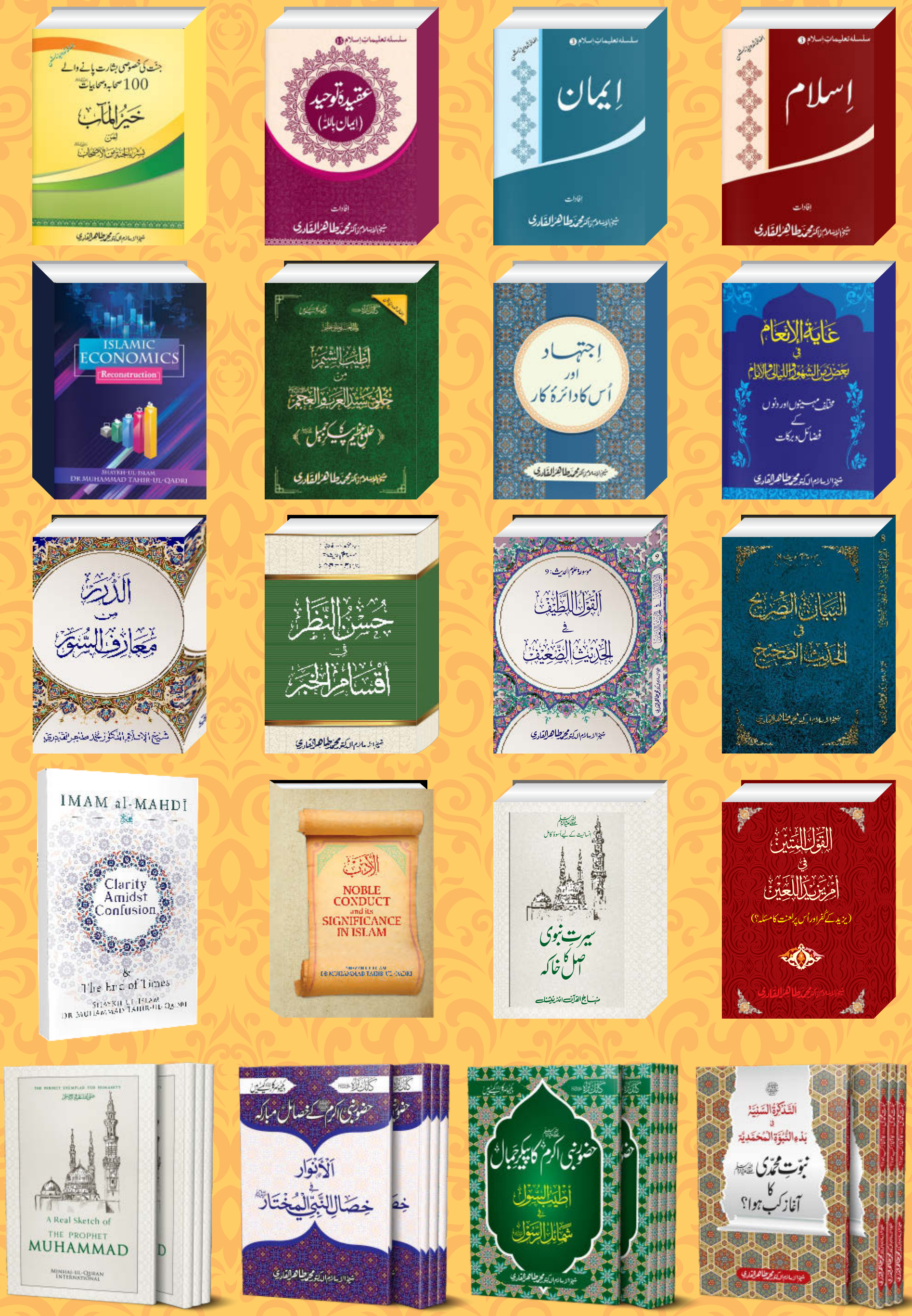

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 615 سے زائد کتب دستیاب ہیں